جلد ۸۲ جولائی، اگست ۱۹۹۸ء شمارہ - ۷، ۸

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے

پتہ: ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ، کولمبس، اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

انگریزی سے ترجمہ

ممتاز احمد باجوہ' ایم اے

نیا نظام عالم — ۳

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کی معروف کتاب "نیو ورلڈ آرڈر" کا ترجمہ

وہ عہد جس کا ذکر پہلی آیت میں کیا گیا ہے اس میں ان پیشگوئیوں کا ذکر ہے جو حضرت نبی کریم صلعم کی آمد کے متعلق بائبل میں پائی جاتی ہیں۔ اور حضرت عیسیٰؑ نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا تھا کہ اس عظیم پیغمبر پر ایمان لائیں جس کی بعثت سے انسانیت کو ایک مکمل عالمی نظام حیات دیا جائے گا۔ (۱)

مندرجہ بالا آیات میں مزید بتایا گیا ہے کہ عیسائی دنیا کو حقیقی امن اس وقت نصیب ہو گا جب وہ اسلام کے قائم کردہ عالمی نظام کو قبول کرے گی۔

یہ بات کہ یورپ کی عظیم تہذیب صرف مادی پہلو کو ترقی دینے کی وجہ سے خود اپنی تباہی کو لائے گی اس خدائی منصوبے کا حصہ ہے جو حضرت نبی صلعم کو وحی کے ذریعہ بتایا گیا اور جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ یورپ کی مادہ پرستی کا واضح ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:۔ "کہہ ہم تمہیں' عملوں میں بہت بڑھ کر گھاٹے میں رہنے والوں کی خبر دیں۔ وہ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صنعت کے بہت اچھے کام بنا رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا ان کے عمل انکے کام نہ آئے اس لئے ہم قیامت کے دن ان کے لئے وزن قائم نہیں کریں گے۔ یہ ان کی سزا یعنی دوزخ ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا۔ اور میری باتوں اور میرے رسولوں کو ہنسی بنایا" (۱۸:۱۰۳-۱۰۶)

ان آیات میں مغربی تہذیب اور عیسائی دنیا کے تفاخر کا صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یعنی ان کی تمام تر کوشش صرف دنیاوی زندگی کے لئے' صنعت ان کی سب سے بڑی خصوصیت اور خدا کی بصیرت سے ان کا بالکل کورا ہونا۔ جہاں تک دنیوی کامیابیوں کا تعلق ہے اس کا ستارہ خوب ترقی پر ہے اور سب سے زیادہ روشن دکھائی دیتا ہے۔ اور جہاں تک روحانی معاملات کا تعلق ہے اس کی آنکھ بالکل بند ہے۔ (۲)

صنعت مغربی تہذیب کی قابل فخر خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن یہاں بتلایا گیا ہے کہ یہ لوگ اشیاء کی صنعت کی دوڑ میں اتنے منہمک ہو جائیں گے کہ خدا ان کے ذہنوں سے محو ہو جائے گا۔ اور اس طرح وہ ذہنی سکون کھو بیٹھیں گے جو صرف خدا کا تصور ہی دے سکتا ہے ان کی آنکھوں پر گہرا خول ہو گا اور ان کو اپنی صنعتوں کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا اور وہ خدا کی رحمت اور شان کی بھی کچھ جھلک نہ دیکھ سکیں۔ پیداوار اور زیادہ دولت اکٹھا کرنے کا جوش ان پر اس قدر غالب آجائے گا۔ جو ان کو زندگی کی اعلیٰ اقدار سے غافل کر دے گا۔ پیداوار اور زیادہ پیداوار دولت اور زیادہ دولت ہی ان کی زندگی کا اولین مقصد ہو گا۔

تمام قومیں ان کی پیروی میں اس دوڑ میں غرق ہو جائیں گی اور اس دوڑ میں وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گی اور آخر کار ان کی یہی صنعتی پیداوار ان کی تباہی کا باعث ہو گی۔ ان کے دل ایک دوسرے کی نفرت سے بھر جائیں گے وہ ایک دوسرے کی تباہی کے لئے دن رات منصوبہ بندی اور ایک دوسرے کا توڑ سوچنے میں گزاریں گے۔ تا کہ ایک دوسرے کو تباہ کر سکیں۔

مغرب کی اس مادی تہذیب کی تباہی کا ذکر زیادہ وضاحت سے قرآن مجید کی اٹھارویں سورہ کہف کی ابتدائی آیات میں ہے جو ایک رنگ میں عیسائیت کی تاریخ بیان کرتی ہیں۔ اوپر جن آیات کو درج کیا گیا ہے وہ اس کے آخر میں آتی ہیں۔

"اور انہیں ڈرائے جو کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنا لیا انہیں اس کے متعلق کچھ بھی علم نہیں اور نہ ان کے بڑوں کو تھا۔ بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے وہ جھوٹ ہی کہتے ہیں۔ تو کیا تو اپنی جان کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کر دے گا کہ وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں۔ جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے اس کے لئے زینت بنایا ہے تا کہ انہیں آزمائیں کہ کون ان میں سے بہترین عمل کرنے والا ہے اور ہم یقیناً اسے جو اس پر ہے خالی زمین چٹیل میدان بنا دیں گے" (۱۸:۴-۸)۔ حدیث کی رو سے ان آیات میں فتنہ

دجال کے مصائب کی نشاندہی کی گئی ہے۔

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ یہاں بیان ہوا ہے یہ عیسائی اقوام کے متعلق ہے۔ اور آخری دو آیات ظاہر کرتیں ہیں کہ یہ قومیں تسخیر فطرت سے زمین کو خوبصورت بنائیں گی۔ لیکن یہ سب کچھ ان کی اپنی بد عملیوں کی وجہ سے تباہ ہو جائے گا اور خوبصورت شہر جو اس پر تعمیر کئے جائیں گے زمین بوس ہو جائیں گے اور بڑے بڑے باغات بنجر زمین میں تبدیل ہو جائیں گے۔

دوسری جگہ یہ بیان ہوا ہے کہ اس تہذیب کی تباہی اتنے وسیع پیمانے پر ہو گی کہ تمام زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ کوئی شہر ایسا نہیں ہو گا جو اس تباہی کے اثر سے بچے گا۔ "اور کوئی بستی نہیں مگر ہم اسے قیامت سے پہلے ہلاک کر دیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے۔ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے" (۱۷:۵۸)۔ ہمیں مزید یہ بتایا گیا ہے کہ سزا کا حکم جو ان قوموں پر وارد ہو گا اس بڑے گناہ کا نتیجہ ہو گا جو انہوں نے اسلام کے پیش کردہ امن کے پیغام کو رد کر کے اپنے لئے وارد کیا بلکہ انہوں نے خدا کے امن کے اس پیغام کو تباہ کرنے کی کوشش کی اور یہ سزا بھی انہیں انہی قوموں کے ذریعہ ان پر مسلط کی جائیں گی۔ یورپ کی تباہی خود یورپ کے ہاتھوں ہو گی۔ خدا تعالیٰ بعض وقت ایک قوم کو دوسری قوم کے ذریعہ سزا دلواتا ہے۔ یہودیوں کو ان کے گناہوں اور زیادتیوں کی سزا بخت نصر کے ذریعہ دی گئی۔ مسلمانوں کو خدا کی سزا ہلاکو خاں کے ہاتھوں ملی۔ جس نے بغداد جو مسلمانوں کی تہذیب کا مرکز تھا زمین بوس کر دیا۔ یورپ اتنا طاقتور ہو چکا ہے کہ کوئی دوسری قوم اس کو سزا نہیں دے سکتی۔ اس کو اس کی بد عملیوں کی سزا اس کے اپنے ہاتھوں سے ملے گی۔ خدائی پروگرام کے اس حصے کے متعلق بھی قرآن مجید میں واضح بیان موجود ہے جہاں یورپی اقوام کو یاجوج اور ماجوج کا نام دیا گیا ہے۔ (۳)

"یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے تیزی سے پھیل جائیں گے" (۲۱:۹۶)۔ حدیث میں یاجوج اور ماجوج کو دو زبردست قومیں کہا گیا ہے جو دنیا کے ۹/۱۰ حصہ پر غالب آئیں گی دنیا کی کوئی دوسری قوم ان کے ساتھ لڑائی نہیں کر سکے گی (مشکوۃ)۔ اس لئے ان قوموں کی ظلم و زیادتی کی سزا خود ان کا ایک دوسرے کے خلاف کھڑا ہونے سے دی جائے گی۔ یہاں بھی قرآن کریم کا بیان صاف اور واضح ہے۔ "اور ہم انہیں اس دن ایک دوسرے پر موجیں مارتے ہوئے چھوڑ دیں گے اور صور پھونکا جائے گا۔ پس ہم ان کو اکٹھا کر دیں گے" (۱۸:۹۹)۔

اور پھر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اس دن ہم دوزخ کو کافروں کے سامنے لے آئیں گے وہ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردہ میں تھیں اور وہ سن بھی نہ سکتے تھے" (۱۸:۱۰۰)۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔ یورپین اقوام پہلے غیر ملکوں پر حملہ آور ہوئیں، کمزور قوموں کو غلام بنایا۔ دنیا کی کوئی قوم طاقت کے لحاظ سے ایسی نہ تھی کہ ان کے سامنے ٹھہر سکتی۔ تقریباً تمام دنیا کو فتح کرنے کے بعد وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے اور خوفناک طریق پر ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے اور اب تک جو کچھ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا اس کی تباہی کا خود ہی ہتھیار بن گئے۔ جس جہنم کا ذکر مندرجہ بالا آیات میں کیا گیا ہے۔ وہ ان کے باہمی جنگ و جدل کا نتیجہ ہو گی وہ اب نہ صرف یورپ میں بلکہ کم و بیش دنیا کے تمام ممالک میں بھڑک رہی ہے۔ خدا اپنی مخلوق کے بارے میں انصاف سے کام لیتا ہے اور جہنم کا یہ نظارہ اس دنیا میں ہی دکھایا جا رہا ہے۔ کیونکہ لوگوں نے خدا کی یاد دہانی کی پرواہ کرنا چھوڑ دی ہے اور ایسی کسی بات کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے:

"اور وہ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردہ میں تھیں اور وہ سن بھی نہ سکتے تھے"۔ (۱۸:۱۰۱) قرآن مجید کی رو سے سزا کا مقصد اصلاح ہوتا ہے۔ "اور بلاشبہ ہم نے تجھ سے پہلے قوموں کی طرف رسول بھیجے تب ہم نے ان کو تکلیف اور دکھ میں مبتلا کیا، تاکہ وہ عاجزی کریں"۔ (۶:۴۲) دنیا کے یہ مصائب بے کار اور بے مقصد نہیں ہوتے۔ ان دکھ اور تکالیف کے بعد حقیقی خوشی آتی ہے۔ ارتقاء کا یہ عمل نہ صرف جسمانی بلکہ روحانی طور پر بھی کار فرما نظر آتا ہے۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت میں جو بار بار دہرائی جاتی ہے خدا کو "رب" یعنی تمام جہانوں کی ربوبیت کرنے والا کہا گیا ہے۔ لفظ "رب العالمین" کے معنی ہیں۔ کسی چیز کی اس طرح پرورش کرنا کہ وہ درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوئی اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ "العالمین" کا مطلب دنیا یا دنیا کی تمام قومیں ہے پس اسلام کی رو سے خدا تعالیٰ وہ ذات ہے جو بنی نوع انسان کو پرورش کرنے والی ہے اور اس کو کمال تک پہنچاتی ہے۔ دنیا درجہ بدرجہ ترقی کر رہی ہے اور موجودہ دنیا کی تباہی دنیا میں قبل ازیں آنے والی تباہیوں میں سے سب سے زیادہ تباہ کن ہو گی اور یہ دنیا نہایت تیز رفتاری سے ملیا میٹ کر دی جائے گی۔ یورپی قوموں کی اس جنگ کے متعلق قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: "اور صور پھونکا جائے گا۔ پس ہم ان کو اکٹھا کر دیں گے" (۱۸:۹۹) بگل یا صور پھونکا جانے سے مراد ایک زبردست انقلاب ہے۔ باہم

جنگ وجدل میں ملوث قوموں کا ایک قوم کی حیثیت میں اتحاد مسلمانوں کے لئے ایک اہم اشارہ ہے کیونکہ دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ مختلف قوموں کو ایک مضبوط اور متحد قوم کی صورت میں اکٹھا کر سکتا ہے۔ اور یہی وہ نیا نظام عالم ہے جس کو بنیاد بنا کر موجودہ انسان ترقی کر سکتا ہے اور اعلیٰ مقاصد کے حصول کی منزل کی طرف رواں ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اسلام 'نماز کے ذریعہ دلوں میں خدا کی ہستی کے وجود کے احساس کی جڑوں کو مضبوط کرنے اور انسانیت کے متضاد اجزاء میں اتحاد پیدا کرنے میں کامیاب ثابت ہوا ہے۔ ایک خدا اور وحدت انسانیت پر ایمان کسی بھی عالمی نظام کے دو بنیادی اصول ہونے چاہئیں۔ جن کے ذریعہ انسانیت کو قائم رکھا جا سکتا ہے اور اسے تباہی سے بچا کر ذہنی سکون بحال کیا جا سکتا ہے۔ تاہم وحدت انسانیت کا تصور خدا پر پختہ ایمان کے نتیجہ میں ہی تشکیل پاتا ہے۔ اس لئے خدا پر ایمان ہی اصل بنیاد ہے۔ ایمان کی یہ روشنی خدا کی ہستی کے شعور سے ہی قائم رہتی ہے۔ جو نماز کے ذریعہ انسان کے دل میں جاگ اٹھتی اور نمو پاتی ہے۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ خدا کی ہستی کا شعور جو انسان کے دل میں فطری طور پر موجود ہے ہفتے کے چھ دن خوابیدہ پڑی رہے اور ساتویں دن اس کو جگایا جائے۔ یہ ایک ایسی آگ ہے جو تب ہی روشن رہ سکتی ہے جب اسے وقتاً فوقتاً روشن کیا جاتا رہے۔

نماز اسلام میں روزمرہ کے معمول کا حصہ ہے۔ صبح کے وقت کی نماز ہے۔ روزانہ جب انسان بستر سے اٹھتا ہے تو اس کا پہلا کام نماز ہے۔ پھر رات کی نماز ہے۔ جب سونے کے لئے انسان بستر پر جانے لگتا ہے تو اس کے دن کا آخری کام بھی نماز ہوتی ہے۔ درمیان میں اور بھی نمازیں ہیں جو کام کے اوقات یا تفریح کے دوران پڑھی جاتی ہیں۔ یہ اسلامی طریق زندگی ہے کہ انسان کو جب کہ وہ دنیاوی امور میں مصروف ہوتا ہے واپس بلا کر خدا کے حضور لا کھڑا کرتا ہے تاکہ اس میں اس احساس کو جگایا جائے کہ ایک بالا ہستی ہے جس کے سامنے وہ ہر ایک عمل کے لئے جوابدہ ہوگا تاکہ زندگی اور اس کی جدوجہد کے دوران اس کا ذہن خدا سے دور ہونے سے بچ جائے۔ اسی طرح فتح کے موقعوں پر اس کو یہ یاد دلائے کہ وہ ایک کمزور اور عاجز مخلوق کے سوا کچھ نہیں اور ناکامیوں اور مایوسیوں کے وقت یہ یاد دلائے کہ ابھی ایک اور طاقتور سہارا ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ نماز نہ صرف انسان میں خدا کی ہستی کا شعور پیدا کرتی ہے بلکہ کام کرنے کے لئے نیا جذبہ عطا کرتی ہے جس کی بدولت وہ تازہ دم ہو کر دوبارہ رجوع کرتا ہے۔

نماز کیا ہے۔ جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے۔ وہ انسان کو پوری آزادی دیتی ہے کہ بندہ خدا سے وہ سب کچھ مانگے۔ جس کی اس کو ضرورت ہو اور اپنے خالق اور رب کے حضور جس طرح چاہے اپنے جذبات کا اظہار کرے۔ لیکن اس کے ساتھ اس کو یہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ سب سے پہلے وہ خدائے علیم و قدیر کی راہ نمائی کا طلب گار ہو۔ مسلمان کی سب سے اہم دعا قرآن کریم کی پہلی سورت پر مشتمل ہے جو پانچ وقت نماز میں تلاوت کی جاتی ہے۔

"ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ہمیں سیدھے راستے پر چلا ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا۔" (۱: ۴-۶)

نماز پہلے تو انسان میں خدا کی عبادت اور اس کی تابعداری کرنے کا رویہ اس حد تک پیدا کرنا چاہتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکامات کی اس حالت میں بھی تعمیل کی جائے جبکہ وہ انسان کی اپنی خواہشات یا روایات یا اس کے ماحول کے تقاضوں اور روزمرہ کے خلاف ہوں جن میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ دوسرے یہ ذہن میں ایسا رویہ پیدا کرتی ہے کہ مشکل ترین حالات میں بھی مایوسی اس کے پاس نہیں آتی اور بندہ قادر و توانا خدا سے قوت کا طلب گار ہوتا ہے۔ حالانکہ سب ذرائع ناکام ہو چکے ہوں۔ جو بندہ خدا کی مدد پر بھروسہ کرتا ہے وہ کبھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور مشکل ترین حالات میں مقابلہ کرنے کی قوت رکھتا ہے۔

تاہم نماز کا سب سے اہم حصہ یہ ہے کہ انسان کو یہ تلقین کی گئی ہے۔ کہ بندہ اپنے تمام معاملات میں خدا کی مدد اور راہ نمائی حاصل کرے۔ مسلمان کا خدا صرف اس کے ہونٹوں پر نہیں ہوتا۔ وہ اس کے دل کی گہرائیوں میں قیام کرتا ہے۔ وہ خدا سے ہر لحہ مدد مانگتا ہے اور جو کام بھی کرنے لگتا ہے اس بارے میں اس کی راہ نمائی طلب کرتا ہے۔ اگر کوئی یہ یقین نہیں رکھتا کہ خدا اس کی راہنمائی کرتا ہے تو پھر اس کو خدا پر صحیح معنوں میں یقین ہی نہیں۔ کیا ہم اکثر اوقات مشکلات میں مبتلا نہیں ہوتے؟ کیا کبھی مختلف اوقات میں ہمارے چاروں طرف تاریکی نہیں چھا جاتی۔ کون ہے جو اس تاریکی میں ہمیں روشنی عطا کرتا ہے۔ یہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ جو بندہ خدا تعالیٰ سے اپنے معاملات میں مدد اور راہ نمائی طلب کرتا ہے۔ وہ اخلاقی طور پر مسلح ہوتا ہے اور اسلامی نماز کا مقصد بھی یہی ہے۔

نماز روح کی اندرونی خواہش کا عملی اظہار ہے اور جو خواہش اسلام انسانی قلب میں پیدا کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی سیدھے راہ کی طرف

راہ نمائی کی جائے۔ اور یہ کہ زندگی کے عظیم سے عظیم تر مقصد کی طرف وہ چلتا چلا جائے۔ یہ روح میں اعلیٰ ترین مقام کے حصول کی طرف رواں دواں رہنے کی خواہش پیدا کرتی ہے۔ مسلمان کا دنیا کے متعلق رویہ بے عملی اور غفلت کا نہیں ہے بلکہ یہ جہد مسلسل کی تعلیم دیتا ہے۔ کہ انسان اپنی تکمیل کے حصول تک مصروف رہے۔ وہ ہر قدم پر خدا کی تعریف کرتا اور الحمدللہ کا ورد کرتا رہتا ہے۔ اس طرح اس کی ذہنی نشو و نما اس طریق پر ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول میں ہر طرح سے امن کا نمونہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ جامد صورت میں زندگی بسر نہیں کرتا اور نہ ہی ماحول کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ اپنی تمام زندگی جدوجہد میں گزارتا ہے اور ماحول پر قابو پانے کے لئے بھی کوشش کرتا ہے۔ وہ ترقی کے بغیر امن کا خواہاں نہیں بلکہ امن اور ترقی دونوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح افراد میں جو ذہنی رویہ بنتا ہے وہ بالآخر قومی کردار کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ کیونکہ افراد ہی سے قومیں بنتی ہیں۔ جب قوم کے تمام افراد میں ایک جیسا ذہنی رویہ پیدا ہو جائے تو وہ پوری قوم کا رویہ بن جاتا ہے۔ اگر کوئی دیکھنا چاہتا ہے کہ اسلام کیا تبدیلی لا سکتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اوائل کے مسلمانوں کی ہمہ پہلو ترقی کا مطالعہ کرے۔

صرف نماز ہی ایک وسیلہ نہیں جس کے ذریعہ اسلام انسان کے دل میں ایمان کو زندہ رکھتا ہے اور مذہب کو اس کی زندگی کی اہم قوت بنا دیتا ہے۔ خدا کا بنایا ہوا یہ نظام بھی اسلام سے خاص ہے کہ اس میں وقتاً فوقتاً ایسے لوگ ظاہر ہوتے ہیں۔ جو خدا کی ہستی کے شعور کے اعلیٰ جوہر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اپنے ساتھیوں کو خدا کے زیادہ قریب لے جاتے ہیں۔ اور ان کے ایمان کو تازہ کرتے ہیں۔ تمام مذاہب کے ماننے والے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ماضی میں خدا اپنے کسی ایک عظیم مقرب یا مقربین سے ہمکلام ہوا تھا۔ لیکن تمام مذاہب میں سے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی یہ تعلیم ہے کہ خدا اب بھی اپنے منتخب بندوں سے بولتا ہے جس طرح وہ ماضی میں بولتا تھا۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا اب بھی دعائیں قبول کرتا ہے جس طرح پہلے کرتا تھا۔ تو یہ کیا ہوا کہ آج وہ بولتا نہیں جس طرح وہ ماضی میں بولتا تھا۔ اس لئے اگرچہ وحی شریعت کی صورت میں مکمل ہو چکی ہے اور نبوت نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی شخصیت پر ختم ہو چکی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا نے اس کے بعد بولنا بھی بند کر دیا ہے۔ وہ اب بھی اپنے منتخب پیاروں سے بولتا ہے کیونکہ بولنا اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور خدا کی صفات کا اظہار کبھی بند نہیں ہوتا۔ اب پیغمبر مبعوث نہیں ہوں گے کیونکہ نبی اکرم حضرت محمد صلعم کی آمد سے شریعت مکمل ہو چکی ہے۔ وحی (خدا کا بولنا) اور نبوت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ یہ غلط خیال ہے کہ نبوت کے اختتام کو وحی کے اختتام سے خلط ملط کر دیا جائے۔ عام سطح پر وحی کی عمومی صورت یعنی خدا سے ہمکلامی نبیوں اور دوسرے لوگوں میں جو نبی نہیں ہوتے قدر مشترک ہے۔ وحی کی اعلیٰ شکل صرف نبیوں کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔

یہ بات کہ خدا نے اپنے آپ کو ہزاروں سال پہلے ظاہر کیا تھا اور کسی ایک سے ہم کلام ہوا تھا اور یہ کہ خدا کی ہمکلامی انسانیت کا آفاقی تجربہ نہیں ہے خدا پر ایمان کے ذریعہ قوت حاصل کرنے سے محروم کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ سوائے اسلام کے خدا پر ایمان ایک زبردست قوت کے طور پر اپنی حقیقت کھو چکا ہے۔ پھر اس بناء پر خدا اور مذہب کو ماضی کی ایک چیز کی طرح رد کر دیا جاتا ہے اور خدا کی وحی یا ہمکلامی ایک زندہ حقیقت کی بجائے محض ایک کہانی بن کر رہ جاتی ہے۔ اسلام وحی والہام کو عالمگیر حیثیت دیتا ہے اور اس کی حیثیت کو سائنسی دلائل سے ثابت کرتا ہے۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ وحی کا تجربہ قرآن کریم کی رو سے صرف ایک یا دو قوموں کا تجربہ نہیں بلکہ عالم انسانیت کا تجربہ ہے۔ وہ منتخب افراد جن کے ساتھ خدا ہمکلام ہوا یا جن پر اس نے خود کو ظاہر کیا تمام اقوام اور تمام زمانوں میں ہوئے۔ اور اس طرح وحی و الہام تمام بنی نوع انسان کا تجربہ ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اسلام کی تعلیم ہے کہ وحی والہام اب بھی ایک حقیقت ہے اور خدا اب بھی اپنے پیارے بندوں سے کلام کرتا ہے اور ایسے لوگوں کی آج بھی ضرورت ہے۔ تاکہ خدا پر ایمان میں قوت پیدا ہو۔ لیکن وہ نبی نہیں کہلاتے کیونکہ وہ نیا قانون نہیں لاتے اور نہ ہی وہ موجودہ قانون میں کوئی تبدیلی کر سکتے ہیں۔

دراصل نبوت کی تکمیل اور اختتام ایک ضروری امر تھا۔ جس کے بغیر انسانیت میں وحدت کا پیدا ہونا ممکن نہ تھا۔ ہر قوم میں نبی مبعوث ہوئے اور اس طرح اگرچہ نبوت آفاقی حقیقت تھی یعنی ہر قوم میں نبی آئے لیکن کم و بیش اس کی حیثیت قومی تھی۔ ہر نبی کا دائرہ اپنی قوم تک محدود تھا۔ قومی نبوت نے قومی سطح پر وحدت کو پختہ کیا لیکن وقت تیزی سے قریب آ رہا تھا۔ جبکہ بین الاقوامی یا عالمی اتحاد کی ضرورت پڑنی تھی۔ اور یہ صرف اس طرح عمل میں لایا جا سکتا تھا۔ کہ ایک عالمی نبی یا تمام قوموں کی طرف ایک نبی کو بھیجا جائے۔ اور اس طریق پر ہی تمام بنی نوع انسان کے اتحاد کے عظیم مقصد کی تکمیل ممکن ہو سکتی تھی۔ قرآن کریم نے نبی اکرم حضرت محمد صلعم کے مشن کو اس طرح بیان کیا ہے:

"وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تا کہ وہ تمام جہان کے لئے ڈرانے والا ہو" (۲۵:۱)۔

"کہہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں وہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔" (۷:۱۵۸)

"اور ہم نے تجھے تمام قوموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (۲۱:۱۰۷)

"اور ہم نے تجھے تمام ہی لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔" (۳۴:۲۸)

رسول اکرم صلعم دیگر پیغمبروں کی طرح خدا کے ایک پیغبر تھے۔ لیکن آپؐ کی بعثت نے نبوت کی تاریخ میں ایک انقلاب برپا کر دیا اس دن سے قومی نبیوں کا آنا بند ہو گیا اور دنیا پر عالمی نبی کا دن طلوع ہو گیا۔ جس نے مختلف قوموں کو ایک قوم میں متحد کرنا تھا۔ اور اس طرح تمام بنی نوع انسان کے اتحاد اور ان کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے کا عظیم خیال پایہ تکمیل کو پہنچا۔ تمام جغرافیائی حدود اور رنگ و نسل کی تفریق ختم ہو گئی۔ نسل انسانی کی اتحاد کی بنیاد اس عظیم اصول پر رکھی گئی کہ تمام نسل انسانی ایک ہے۔ اور تمام انسان خواہ کہیں بھی رہتے ہوں ایک قوم ہیں۔ اس قسم کے اتحاد کا حصول ختم نبوت کے بغیر ممکن نہ تھا۔ کیونکہ اگر نبیوں کی آمد کا سلسلہ عالمی نبی کے بعد بھی جاری رہتا تو بلاشبہ ان انبیاء کے ماننے والوں کے گروہوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا جو اپنے اپنے نبی کی پیروی کرتے اور عالمی اتحاد کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی جس کا قیام اسلام کا مقصد تھا اور جو وہ ایک عالمی نبی کی بعثت کے ذریعہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔

اب میں اصل موضوع کی طرف لوٹتا ہوں کہ خدا اب بھی اپنے منتخب بندوں سے کلام کرتا ہے۔ حضرت نبی اکرم صلعم کی اس سلسلہ میں ایک واضح حدیث ہے۔ "یقیناً تم سے پہلے لوگوں میں ایسے بھی تھے جن سے خدا کلام کرتا تھا لیکن وہ نبی نہیں تھے۔ اگر میری قوم میں ایسا کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہے" (بخاری ۶۲:۶)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ حضرت نبی کریم صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا لیکن خدا مسلمانوں میں سے اپنے منتخب بندوں سے کلام کرے گا۔ یہ اس لئے کہ کلام کرنا نہ صرف خدا تعالیٰ کی ایک صفت ہے جس طرح دیکھنا اور سننا اس کی صفات میں سے ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ اسکے کلام سے ہی خدا کی موجودگی کا یقین دلوں میں مضبوط ہوتا ہے۔ ان ہی منتخب افراد کے ذریعہ خدا پر زبردست ایمان بحال ہوتا ہے۔ ایسے لوگ عوام میں خدا پر ایمان کی تجدید کرتے ہیں۔ ایسے منتخب افراد جن کا خاص طور پر ذکر ہے ہر صدی کے شروع میں کھڑے کئے جاتے ہیں:

"یقیناً اللہ ہر صدی کے سر پر ایسا شخص مبعوث کرے گا جو مسلمانوں کی امت کے لئے دین کی تجدید کرے گا۔" (ابو داوٗد ۳۶:۱)۔ ایسے افراد کو اسلامی اصطلاح میں مجدد یا تجدید کرنے والا کہا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف خدا پر ایمان کو زندہ کرتے ہیں بلکہ وہ ان تمام غلطیوں کی اصلاح کرتے ہیں جو مسلمانوں میں راہ پا چکی ہوتی ہیں اور اسلام کی تعلیمات پر نئے حالات کے پیش نظر نئی روشنی ڈالتے ہیں جو مسلمان قوم کو درپیش ہوتے ہیں۔ چودھویں صدی ہجری کے مجدد حضرت میرزا غلام احمد قادیانی تھے۔ جنہوں نے تحریک احمدیت کی بنیاد رکھی۔ یہ احیائے اسلام کی سب سے جدید تحریک ہے جو چودھویں صدی کے آغاز یعنی تقریباً ۱۸۸۲ء میں شروع ہوئی۔

---

(۱) یاجوج ماجوج ان لوگوں کو کہا گیا ہے جنہوں نے اس کے ایک بندے کو خدا بنا لیا ہے اور یہ قرآن مجید نے عیسائی اقوام کا نقشہ کھینچا ہے۔ (۱۸:۹۹۔۱۰۴)
ایک دوسری جگہ حضرت عیسیٰؑ کے ذکر کے بعد یاجوج ماجوج کا ذکر آتا ہے۔ بائبل کے مطابق یاجوج ماجوج کوہ قاف کے شمال میں رہتے تھے: "اے آدم زاد! یاجوج کی طرف جو ماجوج کی سرزمین کا ہے۔ اور روش اور مسک اور توبل کا فرمانروا ہے متوجہ ہو اور اس کے برخلاف نبوت کر اور کہہ کہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے۔ کہ دیکھو اے جوج روش اور مسک اور توبل کے فرمانروا' میں تیرا مخالف ہوں (حزقی ایل ۳۸:۲،۳)۔ "اور میں ماجوج پر جنگ بھیجوں گا اور ان پر جو جزیروں میں سکونت کرتے ہیں وہ جان جائیں گے کہ میں خداوند ہوں" (حزقی ایل ۳۹:۶)۔ یاجوج کو یہاں مسک اور توبل کے بڑے سرداروں کی حیثیت سے پکارا گیا ہے۔ اور کوہ قاف کے شمال میں ان دو دریاؤں کا پتہ چلتا ہے جن کے نام مسکو اور توبل بائبل کے ناموں سے ملتے جلتے ہیں۔ پہلے دریا پر ماسکو شہر واقع ہے اور آخر الذکر دریا پر موجودہ قصبہ توبالسک واقع ہے۔ اس طرح بائبل کی پیش گوئیوں کے مطابق یورپ ہی وہ سرزمین ہے جس پر یہ عذاب آئے گا۔ اردو' عربی اور فارسی زبانوں میں عبرانی کے ترجمہ شدہ تراجم کے مطابق حزقی ایل (۳۸:۲) کے الفاظ یہ ہیں۔ "روش اور مسک کے فرمانروا" روش عربی اور فارسی میں روس کے لئے استعمال ہوتا ہے لندن کے گلڈ ہال میں کافی عرصہ پہلے سے یاجوج اور ماجوج کے مجسموں کی موجودگی قابل غور ہے۔

(۲) اس سلسلہ میں صرف ایک پیش گوئی کا حوالہ دوں گا:۔
"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا..... وہ میرا جلال ظاہر کرے گا (یوحنا ۱۶:۱۲۔۱۴) حضرت عیسیٰؑ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے آئے تھے اور انہوں نے صرف ان کی خاص برائیوں کی مذمت کی۔ "روح حق" جس سے مراد حضرت نبی کریم صلعم کی بعثت ہے کو قرآن کریم نے "سچائی" بھی کہا ہے (۱۷:۸۱) اس "سچائی کی روح" نے انسانوں کو تمام قسم کی سچائیوں کی طرف راہ نمائی کرنی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا لایا ہوا نظام ہر لحاظ سے مکمل ہو گا۔ اسلام کے علاوہ کوئی شریعت نہیں جو کامل ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ "آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا" (۵:۳)۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے حضرت عیسیٰؑ کے نام کی عظمت کو اس حد تک قائم کیا کہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ حضرت مریم کو ان الزامات سے بری کیا جو ان کے اپنے ہی لوگوں یعنی بنی اسرائیل نے ان کے خلاف لگائے تھے اور یہ بھی کہ آپؐ نے ہی حضرت عیسیٰؑ کی صحیح حیثیت کو بطور ایک پیغمبر اور بشر کے قائم کیا۔

(۳) عیسائیت کی بنیاد حضرت عیسیٰؑ کے تصور پر ہے لیکن ان سے اس کا تعلق صرف ان کے نام تک ہے۔ حقیقت میں جو کچھ ان کی تعلیم تھی عیسائیت اس کی نفی ہے بلکہ بالکل اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے اس دنیا کی زندگی کی چیزوں کی پرواہ نہیں کی۔ انہوں نے صرف خدا کی بادشاہت قائم کرنی چاہی۔ جہاں تک موجودہ عیسائیت کا تعلق ہے وہ تو حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کے بالکل الٹ ہے۔ حضرت نبی اکرمؐ کی ایک حدیث میں دجال کی دائیں آنکھ یعنی روحانی آنکھ کو بند دکھایا گیا ہے۔ اور یہ کہ اس کی بائیں (یعنی مادی) آنکھ ستارے کی طرح روشن ہے۔ یہ مغربی تہذیب کی بہت ہی خوبصورت تصویر کھینچی گئی ہے۔

بی بی سی ٹیلی وژن پروگرام

ترجمہ: کیپٹن عبدالسلام خان

حضرت عیسیٰ ؑ سے یسوع مسیح تک — ۲

(نوٹ: اپریل ۱۹۷۷ء میں بی بی سی ٹیلیویژن' لندن سے پروگرام Who was Jesus یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کون تھے "پیش کیا گیا تھا۔ اس پروگرام کو کیمبرج یونیورسٹی کے فلسفہ مذاہب کے پروفیسر ڈان کیوپڈ صاحب نے پیش کیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش 'صلیب پر وفات کے بعد جی اٹھنا اور آسمان کی طرف جانا اور ان کی طرف منسوب عیسائی عقائد کے بارے میں اس نہایت عالمانہ اور دقیق گفتگو میں پروگرام پیش کرنے والے کے علاوہ ذیل کے ماہرین نے بھی شرکت کی۔ جن کے اسمائے گرامی یہ تھے:

۱۔ مانچسٹر یونیورسٹی میں قدیم تاریخ کے پروفیسر انتھنی برلے' ۲۔ درھم یونیورسٹی' سینٹ چاڈز کالج کے پرنسپل جان فینٹن' ۳۔ یروشلم میں راک فیلر عجائب گھر کے مہتمم اعلیٰ ڈاکٹر روحانی' ۴۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں عہد نامہ جدید کے ماہر پروفیسر جارج کیرڈ اور ۵۔ یروشلم میں عبرانی یونیورسٹی میں "عیسیٰ ؑ کی زندگی" کے مصنف ڈاکٹر ڈیوڈ فلاسر۔

تقریباً دس سال کے بعد اپریل ۱۹۹۷ء میں بی بی سی ٹیلیویژن لندن پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسی نوعیت کا ایک اور نہایت دلچسپ پروگرام دکھایا گیا جس کا عنوان Jesus before Christ تھا۔ یعنی دنیا کا نجات دہندہ بننے سے قبل حضرت عیسیٰ کیا تھے۔ دوسرے الفاظ میں مغرب کے علمی اور مذہبی حلقوں میں ان حضرت عیسیٰ ؑ کی تلاش کے لئے نہایت سنجیدگی سے کوشش ہو رہی ہے جن کو عیسائیوں نے خدا کے ایک برگزیدہ نبی سے بڑھا کر گناہوں کا نجات دہندہ بنا کر ان کو خدائی صفات سے متصف کر دیا ہے۔ اس پروگرام کے پیش کرنے والے اے این ولسن A.N.Wilson ہیں۔ ان کے علاوہ ذیل کے لوگوں نے اس گفتگو میں حصہ لیا:

۱۔ جنوبی فلوریڈا' امریکہ کے ماہر آثار قدیمہ پروفیسر جم سٹرینج' ۲۔ آکسفورڈ یونیورسٹی' انگلستان کے مطالعہ یہودیت کے پروفیسر ایمارٹیس گیزا ورمیز' ۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر گلیلی کے تاریخی پس منظر کے ماہر اور تاریخ دان شان فرائن۔ گلیلی وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت مسیح ؑ نے تبلیغ کا آغاز کیا تھا اور کافی لوگوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کی دعوت کو قبول کیا تھا۔ ۴۔ یروشلم میں یہودیوں کی عید سے متعلق رسومات کے ماہر ایڈ سانڈرز اور ۵۔ یروشلم میں آثار قدیمہ کے علم الانسان کے ماہر جو زیاس۔

پہلے پروگرام یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کون تھے کا اردو ترجمہ دو اقساط میں گذشتہ دو شماروں میں پیش کیا جا چکا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان دونوں پروگراموں میں گفتگو مذہب کے متعلق ہے اور اس مقدس شخص کے متعلق ہے جو عیسائی مذہب کی بنیاد ہے بلکہ ان کا خدا ہے۔ لیکن گفتگو کا انداز کتنا عالمانہ' تجزیہ کتنا بے باک اور دلائل اور واقعات کو کس قدر بے لاگ طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان میں اکثر باتیں چرچ کے مسلمہ عقائد کے خلاف ہیں اور بائبل جو ان کے نزدیک مقدس کتاب ہے اس پر سخت تنقید ہے۔ ذیل میں اس بی بی سی پروگرام کے اردو ترجمہ کی آخری قسط شائع کی جا رہی ہے۔ پہلی قسط ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ مدیر)

ان کی بعثت کے ان پہلوؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ "تاریخی یسوع" خواہ وہ یہودی پیشگوئیوں والا مسیحانہ بھی ہو' اس کا تعلق ایک ایسے کرشماتی "شفا بخشنے" والے گروہ سے تھا جو گلیلی جیسے مرکز کے دور افتادہ علاقوں میں زور پکڑے ہوئے تھا۔

یہ نیک لوگ تھے جو اس خطہ میں گھومتے پھرتے تھے اور لوگوں کو یہودی مذہب کی تعلیم دیتے اور ایسے لوگوں کو جن پر بد روحوں کا قبضہ سمجھا جاتا تھا شفا بخشتے تھے۔ یروشلم کے ہیکل کے پروہتوں کی تعلیم کے برعکس یہ ایک "مقبول عام یہودیت" کی تعلیم دیتے تھے ایسا نیک چلن جو مقبول تھا اور جہاں بھی وہ جاتے لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے۔

سوال: اگر ہم یسوع کو اس قسم کی روایت کا حصہ بنائیں گے تو پھر ان میں ان سب مقدس انسانوں سے ہٹ کر کون سی خصوصی بات تھی؟

جواب: میرے خیال میں ان میں سب سے نمایاں بات یہ تھی کہ حضرت یسوع ایک بہت زیادہ اثر انگیز اور اہم مبلغ تھے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی میں یہودی مذہب کے مطالعہ کے پروفیسر گیزا ورمیز (Geza Vermes)

سوال: مگر آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر وہ مسیحائی کے مقصد کو پورا نہیں کر رہے تھے تو ان کے نزدیک ان کا کیا مقصد تھا؟

جواب: یسوع کا بنیادی پیغام اور ان کی سرگرمیوں کا مقصد ان کی یہ معرفت تھی کہ انہوں نے روشنی دیکھ لی تھی کہ خدا کی بادشاہت عنقریب آنے والی ہے۔ ہر یہودی فرد کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اس بات کا ادراک کرے اور اس سے نتائج نکالے' جو دراصل اس بات کا احاطہ کرنا تھا کہ اب مستقبل میں کچھ نہیں ہو گا اور تمام توجہ اس دنیا کی ہر چیز پر مرکوز کرنا ہو گی۔ یعنی اب ہر شخص کو بغیر کسی ذہنی تحفظ کے اپنے آپ کو اس بادشاہی کو قبول کرنے کے لئے تیار کرنا ہو گا۔

سوال: مگر کیا بائبل کی تعلیم کے مطابق یہ دنیا کا آخر نہیں بلکہ اب تو فرد کا خاتمہ ہونے والا ہے؟

جواب: یہ بات تو واضح ہے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر یسوع کی نظر میں لوگوں کے لئے کوئی مستقبل نہیں۔ وہ اپنی تعلیم کی تبلیغ کے لئے آئندہ کسی تنظیم کی پیش بینی نہیں کرتے کیونکہ ایسا کوئی مستقبل ان کی نظر میں ہے ہی نہیں۔

سوال: یسوع کا پیغام تو صرف یہودیوں کے لئے تھا اور یہ پیغام فوری اہمیت کا تھا۔ خدا کی بادشاہی ان کی زندگی میں ہی آ جانی تھی۔ اس بادشاہت کے متعلق مختلف یہودی روایات تھیں مگر جن لوگوں کی طرف ان کا روئے سخن تھا غالباً ان کی نظر میں اس بادشاہت کا مطلب یسوع کے مفہوم سے بہت مختلف تھا......

یسوع کے نزدیک آسمانی بادشاہت کا مطلب انسان کا خدا کے قانون کے سامنے مکمل سر تسلیم خم کرنا تھا مگر یہودیوں کے نزدیک اس کا مطلب روم سے آزادی اور یہودی مذہب کی عالمگیر قبولیت تھا۔ جس ہجوم سے یسوع خطاب کرتے ہوں گے وہ زیادہ بڑا نہیں ہوتا ہو گا' شاید 30 یا 40 افراد کیونکہ ایک بڑا ہجوم تو حکام کی توجہ کھینچ سکتا تھا۔ اگرچہ ہمیں ان کی بعثت کے دوران آمد و رفت کے متعلق صحیح معلومات حاصل نہیں مگر ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وہ شہروں سے اجتناب کرتے تھے اور دیہات اور جھیلوں کے کنارے واقع گاؤں کے لوگوں کی طرف جاتے تھے۔

یہ لوگ جنہوں نے خود مسیحؑ کو سنا اگر خود انہوں نے ہی ان کا انکار کیا تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں کیونکہ خود ہم سالہا سال کی تاویلات اور تشریحات کے ذریعہ ایک رنگ میں آج بھی ان کا انکار کر رہے ہیں۔ ہم یہ بات بھی حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ مسیحؑ نے وہ الفاظ کہے تھے جو کہ انجیل میں ان کی طرف منسوب کر کے درج کئے گئے ہیں۔

بہرحال حضرت مسیحؑ کی موجودگی کا ایک بے پناہ احساس ہے جو خصوصاً پہلی تین اناجیل میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک بات جو حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کی جاتی ہے ضروری نہیں کہ وہ تاریخی بھی ہو۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر گیزا ورمیز:

جواب: میں اس حد تک تو آپ سے متفق ہوں کہ یہ دعویٰ کرنا تو بالکل ناممکن ہے کہ جو کچھ بھی مسیحؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ مستند ہے اور براہ راست مسیحؑ سے آیا ہے۔ ہاں اس بات کو ہم کم و بیش یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ (اناجیل میں) کچھ عنوانات' خیالات اور موضوعات ایسے ہیں جو کہ مسیح سے مخصوص ہیں اور ان کا آپس میں ربط بھی ہے۔

سوال: میرے خیال میں جیسا کہ آپ کے الفاظ ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق سب سے مسحور کن اور پرکشش بات ان کا دوستانہ رویہ اور گناہگاروں کے لئے ان کا جذبہ ہمدردی ہے۔

جواب: اناجیل میں جو تصویر پیش کی گئی ہے اس کے مطابق یہ بات مسیحؑ کا خاص وصف ہے اور پھر میں سمجھتی ہوں کہ اگر آپ افراد پر اور ان کی کمزوریوں اور ان کی تکلیفوں پر نظر ڈالیں تو آپ یہ دیکھیں گے کہ یسوعؑ کو ان باتوں کی زیادہ فکر تھی بہ نسبت اس بات کے کہ لوگوں کا عام قواعد و ضوابط اور شہری قوانین کے متعلق مناسب رویہ ہو اور اسی لئے یہ صحیح ہے کہ وہ مہربانی اور معافی اور محبت کے برتاؤ کرنے کے لئے ہر وقت مستعد نظر آتے تھے۔

سوال: یسوع کی کہی ہوئی باتوں کو مستند ثابت کرنے کی کوشش میں نئے عہد نامہ کی آرامی' عبرانی اور یونانی زبانوں کے فرق کی وجہ سے پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ مثلاً "انسان کا بیٹا" اور "خدا کا بیٹا" کی تراکیب ایک کلچر کی نسبت دوسرے کلچر والوں کو بہتر سمجھ میں آتا ہے۔ آرامی زبان میں "انسان کا بیٹا" کی ترکیب بعض دفعہ "میں" کی جگہ استعمال ہوتی تھی۔ خصوصاً جب کلام کرنے والا اپنے لئے فخریہ انداز کو اپنانا نہ چاہتا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسیحؑ خود کو آسمانی نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح "خدا کا بیٹا" بھی ایک مشکل ترکیب ہے شان فراین جو کہ مسیحؑ کے گلیلی کے تاریخی پس منظر کے ماہر ہیں کا خیال ہے کہ عیسائیت میں "خدا کا بیٹا" کے تصور کو اس سے کہیں زیادہ معنی پہنا دیئے گئے ہیں جو کہ مسیح اور اس کے ساتھی یہودیوں نے سمجھے تھے؟

جواب: "خدا کا بیٹا" کی ترکیب اس بات کی مستند مثال ہے۔ اگر ہم یہودی وحدت پسند تمدن سے جو کہ عبرانی بائبل اور آرامی تفسیروں پر مبنی ہے' یونانی تمدن اور یونانی فلسفہ کی روایت کی طرف جائیں تو ہر ترکیب یا اصطلاح کے معنی میں بہت ہی اختلاف پایا جاتا ہے اور میرے خیال میں مسیحؑ کے خصوصی لقب کو "عیسائیت" کا رنگ دینے کی یہ ایک اچھی مثال ہے حضرت مسیحؑ نے خود یہ ترکیب استعمال کی ہو یا نہ لیکن در حقیقت میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ حضرت مسیحؑ کو اپنی ذات کی بجائے خدا کی بادشاہی کی زیادہ فکر تھی۔

گیزا: یہ بالکل ایک بنیادی بیان ہے۔ عیسائیت میں حضرت مسیحؑ کی حیثیت کے بارے میں بھی اختلاف ہے اور خود خدا پس منظر میں چلا جاتا ہے جب کہ

حضرت مسیحؑ کے نزدیک وہ خود پس منظر میں ہیں اور ہر چیز کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس لئے یہ خیال کہ حضرت مسیحؑ مسلسل اپنے آپ کو ہی بیان کرنے کی کوشش میں تھے' ان کے ذہن کی بڑی غلط ترجمانی ہے"۔

سوال: "خدا کا بیٹا" کی ترکیب کا پھر کیا مفہوم ہوگا؟ کیا میں یہ خیال کرنے میں حق بجانب ہوں کہ ہر یہودی اپنے آپ کو "خدا کا بیٹا" سمجھ سکتا ہے جیسا کہ کوئی یہودی عورت بھی اپنے آپ کو "خدا کی بیٹی" سمجھے؟

گیزا: ہاں' یہودیوں کو عام طور پر "خدا کے بچے" ہی کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

شان فرائن: اس سلسلہ میں ایک مشکل جس کو میں یوں بیان کر سکتا ہوں یہ ہے کہ بہت سے نئے عہد نامہ کے عیسائی قارئین جب ان عبارتوں کو پڑھتے ہیں جب کہ عقیدہ تثلیث پہلے سے ہی ان کے ذہنوں میں نقش ہوتا ہے' تو ان کے نزدیک یسوع خود کو خدا کا بیٹا یا خدا کا بیٹا تثلیث کے دوسرے اقنوم کی حیثیت میں' سمجھتے تھے۔ اور یہ کہ حضرت مسیحؑ اپنے متعلق اس خدائی تصور کا ہر جگہ اظہار کرتے تھے۔ اور یہ بالکل وہی بات ہے جس پر میں اور گیزا مکمل اتفاق رائے رکھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ہمیں ان مذہبی خیالات کو جن کا عیسائی عقائد میں ایک روایتی مفہوم ہے' حضرت مسیحؑ کی تاریخی شخصیت سے مکمل طور پر علیحدہ کرنے کی کوشش کرنا ہوگی۔

سوال: یہ ممکن ہی نہیں کہ یہ تاریخی مسیح اپنے آپ کو خدا کے طور پر یا خدا ہونے کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ اور ہم سب اس بات پر متفق ہیں۔

گیزا: اگر وہ اپنے آپ کو الٰہی وجود سمجھتے تھے تو میرے خیال میں وہ اس بات کا لوگوں میں اظہار نہ کر سکتے تھے۔

سوال: وہ اس بات کو اپنی زبان میں بیان کرنے کی اہلیت بھی نہ پاتے ہوں گے۔

گیزا: اگر ایسا ہوتا تو بھی یہ بات لوگوں کے لئے اتنی ملحدانہ یا رسوا کن ہوتی کہ وہ چیخ اٹھتے۔

سوال: "تاریخی مسیح" کی جو تصویر بن کر ابھرتی ہے وہ ایک نبی کی تصویر ہے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کی زندگی میں ہی "خدا کی بادشاہت" آجائے گی۔ اپنے پیروکاروں سے وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ وہ خدا کے ساتھ نئے سرے سے عہد باندھیں اور کسی کلیسا سے تعلق نہ جوڑیں جو صرف اپنی ہی تعلیمات کے پھیلانے کے لئے وقف ہیں۔

"کوہ حسن" یا Mount of Beautitude وہ روایتی مقام ہے جہاں یسوعؑ نے پہاڑی وعظ فرمایا (اور کہا) "مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے" (متی ۵:۹) یہ وہی محبت و آشتی کا پیغام ہے جو کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے پانچ ہزار لوگوں کو ویرانہ میں سنایا۔

یسوع اپنے وقت کے لوگوں کو سمجھا رہے تھے کہ وہ مل بیٹھیں' اپنے تنازعات بھول جائیں۔ انہیں رومیوں کے خلاف بغاوت میں اٹھ کھڑے ہونے کے خواب کو بھول جانا چاہئے اور باہم امن سے رہیں۔ مگر ویرانہ کے لوگوں نے جب روٹیاں کھائیں تو انہوں نے یسوع کو اپنا بادشاہ بنا لیا اور میرے خیال میں اس طرح انہوں نے ان کے موت کے پروانہ پر دستخط کر دیئے۔

یسوع کے آخری ایام کی کہانی ایک سفر سے شروع ہوتی ہے۔ پہلی تین انجیلیں بتاتی ہیں کہ یسوعؑ اور ان کے حواری گلیلی سے اتر کر یروشلم کی طرف جا رہے ہیں اور عید فسح سے قبل کی اتوار کو یروشلم پہنچ جاتے ہیں۔ وہ یہودیہ کے صحرا میں سے سفر کرتے ہوئے گزرے ہوں گے اور پاپیادہ انہیں پانچ روز لگے ہوں گے۔

یسوع بیت عنیاہ (Bethany) جو کہ یروشلم سے تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے میں ٹھہرے۔ یوحنا کے مطابق یہ وہ جگہ ہے جہاں انہوں نے لعزر (Lazarus) کو مردہ حالت سے اٹھا کر زندہ کیا اور یہی وہ جگہ ہے جہاں وہ اپنے پیروؤں سے کہتے ہیں کہ ان کے لئے ایک جوان گدھی لائیں جو کہ اسے سوار کر کے شہر میں پہنچا دے۔

سن ۳۰ء کے لگ بھگ اگر یسوعؑ عید فسح کے لئے یروشلم نہ آتے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنی کہاوتوں کے حوالے سے یاد رکھے جاتے۔ ممکن ہے کہ وہ اس زمانے کے دوسرے مقدس اشخاص کی طرح مشہور ہو جاتے مگر یہاں یروشلم میں جو واقعات وقوع پذیر ہوئے انہوں نے انہیں محض ایک عظیم استاد یا کرشمہ ساز کی بجائے ایک بہت زیادہ اہمیت کا حامل بنا دیا۔ غیر یہودی دنیا کے لئے ان کا خدا اور تمام انسانیت کا نجات دہندہ بن جانا گویا مقدر ہو چکا تھا۔

تمام راسخ العقیدہ یہودیوں کے لئے مقصود ہیکل ہوتا تھا۔ آج کل جو لوگ یروشلم جاتے ہیں وہ عظیم ہیروڈ کے تعمیر کردہ اس عظیم عمارت کا نمونہ دیکھ سکتے ہیں۔ عمارت کے چاروں طرف فصیل شمالاً جنوباً چار سو میٹر اور شرقاً غرباً تین سو میٹر لمبی تھی اور عمارت کے مرکز میں وہ مقدس ترین زیارت گاہ Holy of Holies واقع تھی۔ یہودی ہیکل میں تین مقاصد لے کر آتے تھے یعنی اپنا تزکیہ' عبادت بجالانا اور قربانی گزارنا۔

ہیروڈ کا تعمیر کردہ ہیکل سن ۷۰ عیسوی میں تباہ کر دیا گیا تھا اور اس جگہ پر اب مسلمانوں کی مقدس زیارتیں مسجد اقصیٰ اور گنبد صخریٰ بنی ہوئی ہیں۔ ایڈ سانڈرز (EdSanders) نے عید فسح کے موقع پر ہیکل کی مقدس رسومات کو بغور دیکھا ہے۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ یہودی راہب مقدس ترین زیارت گاہ کے سامنے بھیڑ کے بچے ذبح کیا کرتے تھے مگر سانڈرز کے خیال میں یہ واضح نہیں کہ یہ وہی جگہ ہے جو اب گنبد صخریٰ کے عین سامنے واقع ہے۔

جواب: اب ہم ایک بہت وسیع میدان سے اوپر کی طرف چڑھ رہے ہیں

جو عید فسح کے موقع پر زائرین سے بھر جاتا ہو گا۔

سوال: تو ہم کتنے راہبوں اور کتنے جانوروں کا ذکر کر رہے ہیں؟

جواب: لاوی اور راہب سب ملا کر بیس ہزار کے لگ بھگ تھے۔ عید فسح کے موقع پر یہ سب ایک ساتھ ہی مصروف ہونے چاہئے کیونکہ چند گھنٹوں بعد سہ پہر کے وقت یہ لوگ قریباً ۳۰۰۰۰ جانور ذبح کرتے تھے۔ یہ گلا چیر دیتے تھے اور تڑپنے کی خاطر جانور کو لٹکا دیتے تھے۔

سوال: اور پھر انہیں خون کو قربان گاہ پر چھڑکنا ہوتا تھا؟

جواب: ہاں کچھ حصہ خون کا تو قربان گاہ تک پہنچانا ہی ہوتا تھا۔

سوال: بھیڑ کی قربانی کی تعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ تہوار کے وقت یروشلم کی آبادی کس حد تک بڑھ جاتی تھی۔ اس کی معمول کی پچیس سے تیس ہزار کی تعداد بڑھ کر دس گناہ ہو جاتی تھی اور اس وجہ سے رومی حکام پر زبردست دباؤ ہو جاتا تھا۔

جواب: صوبہ یہودیہ کے روزمرہ کے حکومتی کاموں کو چلانے سے پلاطوس کا کوئی زیادہ تعلق نہیں تھا۔ پلاطوس بحیرۂ روم کے ساحل کے کنارے ہیروڈ کے ایک انتہائی عیش و عشرت سے آراستہ محل میں جو کہ "سیزریہ" میں واقع تھا رہتا تھا۔ تاہم تہواروں کے موقعہ پر وہ بمعہ فوجی کمک کے یروشلم آجاتا تھا اور یہ اس لئے کہ تاریخ بتاتی ہے کہ ان تہواروں پر فساد اور شورش برپا ہوتی تھی۔ اب اگر آپ تین لاکھ کے لگ بھگ لوگوں کو ایک نسبتاً چھوٹے شہر میں ٹھونس دیں اور وسیع میدان کو ان زائرین سے بھر دیں جہاں وہ عید فسح کے دکھ اور تکلیفوں اور اذیتوں کو یاد کریں اور یہ کہ یہ مصر کی غلامی سے چھٹکارے کا جشن ہے گویا عید فسح کا مذہبی تہوار قومی نجات اور آزادی کی یاد کے طور پر منایا جاتا ہو تو کیا یہ سب کچھ ایک شورش یا فساد کے شروع کرانے کے لئے کم ہے۔

سوال: تو اب جو کہانی بنتی ہے وہ یوں ہے کہ ایک شخص گدھی پر سوار ہو کر عید فسح کے موقع پر یروشلم میں داخل ہوتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ اس کہانی کو ایک تاریخی واقعہ کے طور پر کتنا قابل یقین سمجھتے ہیں۔

جواب: یہ ایک ایسی بات ہے جس کے بارے میں میں واقعی اپنی زندگی میں موقف بدلتا رہا ہوں۔ اب کے مقابلہ میں پہلے میرا خیال تھا کہ اس واقعہ کا امکان بہت کم تھا۔ اگر اس موقع پر ایک بڑے مجمع کا شور ہوتا اور لوگ ادھر ادھر بھاگ کر پکارتے کہ "بادشاہ تشریف لے آئے ہیں" تو میرے خیال میں وہ شخص زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکتا۔ میرے خیال میں یہ صرف ایک چھوٹا سا علامتی مظاہرہ تھا جو کہ یسوع کے حواریوں اور ان کے پیروؤں کی خاطر کیا گیا تھا اور پھر یہ گروہ ایک چھوٹے سے جتھے کی شکل میں شہر کے ایک دوروازے سے دوسرے زائرین کے ساتھ داخل ہو رہا تھا اور انہوں نے تمام شہر کی توجہ کو اپنی طرف متوجہ نہ کیا۔

سوال: عید فسح کے موقع پر یروشلم تو ہجوم کی وجہ سے پھٹنے والی حالت تک پہنچ جاتا ہو گا۔ راسخ العقیدہ یہودیوں کے لئے تو یہ یہودی کیلنڈر میں ایک اہم ترین تہوار تھا۔ اکثر لوگ یہاں وقت سے کچھ پہلے آجاتے تھے تاکہ شہر کے اندر رہائشی جگہ ملنے کو یقینی بنا سکیں کیونکہ عید فسح تو شہر میں ہی منائی جاتی تھی۔ اور باقی لوگ یسوع کی طرح نزدیکی دیہات میں ٹھہرتے تھے اور فصیل شہر کے باہر خیموں کی قطاریں نظر آتی تھیں۔ اگر یسوع واقعی شہر میں گدھی پر سوار ہو کر داخل ہوئے تو ممکن ہے وہ اپنے آپ کو اس پیشگوئی کے ساتھ تطبیق دینا چاہتے ہوں کہ "تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے.....وہ حلیم ہے اور گدھی بلکہ جوان گدھی پر سوار ہے" (زکریاہ ۹:۹)۔ تب کہانی یوں چلتی ہے کہ انہوں نے زرمبادلہ کے بیوپاریوں کی ہیکل کے اندر لگائی ہوئی میزوں کو الٹ دیا۔ یہ بات میری نظر میں مادہ پرستی پر حملہ کے مترادف نہ تھا بلکہ یہودی دنیا کو مطلع کیا گیا تھا کہ بادشاہت آنے والی ہے اور ہیکل جسمانی طور پر تباہ کر دیا جائے گا۔

جوں جوں کہانی آگے بڑھتی ہے یسوع اکیلے اور تنہا ہوتے جاتے ہیں۔ عید فسح جو ایک نہایت سنجیدہ مذہبی تہوار ہونے کے علاوہ ایک جشن اور چھٹی کا دن بھی تھا۔ اس دن گانے، ناچنے اور شور و غل اور شہر میں خوشبو کا ہونا آسانی سے تصور کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہر طرف تیس ہزار لوگوں کے لئے کباب بن رہے تھے۔ مگر یسوع کو یقین تھا کہ انجام نزدیک ہے۔

زائرین کو بتایا جاتا ہے کہ بالائی کمرہ جہاں آخری عشائیہ منایا گیا تھا دراصل یہ صلیبی جنگجوؤں کی تخلیق ہے۔ بالائی کمرہ عموماً ایک کوٹھری نما بالائی کمرہ ہونا چاہئے تھا جس پر سیڑھی لگا کر چڑھا جاتا تھا۔ مگر اس آخری عشائیہ کے متعلق اہم سوال یہ ہے کہ کیا حضرت مسیح نے Euchrist یا عشائے ربانی کی یادگاری تقریب از خود ہی شروع کی تھی؟ یا انہوں نے یہ الفاظ استعمال کئے تھے۔

"یہ میرا جسم ہے' یہ میرا خون ہے"

کیا وہ واقعی اس رسم کی ابتدا ایک نئے مذہب کے عملی قدم کے طور پر کر رہے تھے؟

جواب: میرے نزدیک تاریخی طور پر یہ تصور کرنا قطعی ناممکن ہے؟ مجھے معلوم نہیں کہ آپ اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔

جواب: از ایڈ سانڈرز' (یہودیوں کی عید کی تقریب کے ماہر)

یوحنا کی انجیل میں حضرت مسیح کو ہر وقت استعارہ اور تمثیل کی زبان میں بولتے دکھایا گیا ہے۔ "میں ہی سچی انگور کی بیل ہوں"۔ "میں ہی زندگی کی روٹی ہوں"۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو اب کوئی بھی ان بیانات سے یہ نتیجہ نہیں نکالتا کہ حضرت مسیح کا تعلق نباتات سے تھا۔ "میں ہی سچی انگور کی بیل ہوں" کا مطلب سب لوگ استعارتاً ہی لیتے ہیں۔ میرے خیال میں ان فقروں یعنی یہ میرا جسم ہے' یہ میرا خون ہے' کی تعبیر کرنے کا یہی سب سے صحیح طریق ہے۔ یہ عناصر جن کا بھی نام لیا گیا ہے بطور علامت کے تھے۔ ان واقعات کے متعلق جو کچھ ان کے ساتھ ہونے والا ہے یہ استعارے ہیں۔ وہ عنقریب اس روٹی کی طرح توڑ دیئے جائیں گے۔ جس طرح اس روٹی کو توڑ کر کھایا جا رہا ہے۔

(ختم شدہ)

اہل حدیث کانفرنس منعقدہ چنیوٹ کی بعض تقاریر پر تبصرہ اوران کا جواب

بشارت احمد بقا

کچھ عرصہ ہوا جماعت اہلحدیث پاکستان نے اپنی ایک کانفرنس چنیوٹ' ضلع جھنگ کے مقام پر منعقد کی تھی اوراس میں ان کے بعض علماء نے سلسلہ احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صدی چہاردہم کے خلاف بڑی دھواں دار تقریریں کیں۔ اور عوام کو یہ تاثر دینے کی بھرپور کوشش کی کہ جس طرح ان کے بزرگ علماء نے (جن میں سے مولوی محمد حسین بٹالوی کا ذکر خصوصیت سے کیا) حضرت مرزا صاحب کے خلاف فتویٰ تکفیر تیار اور جاری کرنے میں باقی تمام اسلامی فرقوں کے علماء کی رہبری کی تھی۔ اور جس طرح اس فتویٰ کو ہندوستان میں پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔ اسی طرح اہل حدیث کے علماء کی شب و روز کی سرتوڑ کوشش سے ۱۹۸۴ء میں پاکستان کی نیشنل اسمبلی نے تمام احمدیوں اوران کے پیشوا کو دائرہ اسلام سے خارج کردیا۔ گویا نیکی کے ان دونوں کاموں کا سہرا جماعت اہل حدیث کے سر باندھا۔ اور یہ بھی فخریہ طور پر کہا گیا کہ فتویٰ تکفیر جاری کرنے میں اگر محمد حسین بٹالوی غازی نکلا تو مباہلہ کے میدان میں مرزا صاحب کو راہ فرار اختیار کرنے پر بھی اہل حدیث کے ہی عالم بے بدل علامہ ثناء اللہ امرتسری نے مجبور کردیا۔ اور یوں اس شخص کے مدعی کاذب ہونے پر ڈبل مہر ثبت کردی۔

ایک مولوی اٹھا تو وہ محمدی بیگم کا قصہ لے بیٹھا۔ اور کہا کہ مرزا صاحب نے بڑا بلند بانگ دعویٰ کیا تھا کہ یہ عورت بہرصورت میرے حبالہ نکاح میں آئے گی۔ مگر وہ نکاح میں نہ آئی بلکہ اس کا نکاح ایک دوسرے شخص مرزا سلطان محمد ہوشیارپوری سے ہوگیا۔ وہ شخص نہ مرا اور نہ محمدی بیگم بیوہ ہوئی۔ اور یوں یہ سارا واقعہ مرزا صاحب کے کاذب ہونے کی روشن دلیل بن گیا۔

ایک دوسرا مولوی اٹھا۔ تو اس نے اپنے گندے ذہن کی یوں بدبو پھیلائی کہ مسیح ناصری حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے بغیر مس بشر کے پیدا ہوئے۔ اور یہ مرزا چراغ بی بی کے بطن سے پیدا ہوا۔ پھر یہ شخص ابن مریم کہلانے کا کیسے حقدار ہوگیا۔ پھر مسیح ابن مریم نہایت وجیہہ اور خوبصورت آنکھوں اور گھنگھرالے بالوں والا انسان تھا۔ اور یہ مرزا کانا دجال جس کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے کسی بیوہ کے گھر کا بجھا ہوا چراغ ہوتا ہے۔ وہ مسیح ابن مریم جب فوت ہوں گے تو حسب فرمودہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ ھو یدفن معی فی قبری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں دفن ہوں گے اور یہ شخص ٹٹی میں گر کر مرا اور اس کی ہڈیاں قادیان میں گل سڑ گئی ہیں۔ مسیح ابن مریم جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ تو آپ آسمان سے حضرت جبرائیل اور میکائیل دو فرشتوں کے کندھوں پر سہارا لئے ہوئے دمشق کی مشرقی کنارہ کے مینار پر نزول فرمائیں گے۔ ان کے نزول کے ساتھ چاروں طرف خوشبو پھیل جائے گی۔ اور کفار اور خنزیر اس خوشبو سے ہی مرجائیں گے۔ آپ نبی کی حیثیت سے نزول نہیں فرمائیں گے بلکہ آپ کی حیثیت عام امتی کی ہوگی۔ خانہ کعبہ میں جائیں گے تو وہاں کے امام الصلواۃ کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔ آپ کی آمد سے اسلام سارے کرہ ارض پر پھیل جائے گا۔ اور کفر کا خاتمہ ہوجائے گا۔ ادھر مرزا قادیانی کو دیکھو یہ شخص انگریز کا پروردہ اور مسلمانوں میں افتراق اور انتشار پھیلانے کے لئے کھڑا کیا گیا تھا۔ مسیح تو آسمان سے اترے گا۔ اور یہ قادیان سے اگا تھا۔

میں نے بڑی احتیاط سے ان تینوں اہل حدیث مولویوں کی تقریروں کا خلاصہ اوپر بیان کیا ہے۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ان تقاریر میں کوئی ایک بھی بات ایسی نہیں جس سے بنیادی طور پر دین اسلام کو کوئی فائدہ پہنچتا ہو۔ آج احمدیوں کو خارج از اسلام کئے ہوئے تیس سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کی ایک نئی نسل پوری جواں ہوچکی ہے۔ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی مخالف علماء کا رویہ وہی پرانا چلا آرہا ہے۔ ایک طرف فخریہ طور پر کہا جاتا ہے کہ ان کی شب و روز کی کوشش کے نتیجہ میں احمدیوں کو دائرہ اسلام سے نکال باہر کیا گیا ہے۔ مگر دوسری طرف اس تاریخی کامیابی کے باوجود وہ سالہا سال کا پرانا رونا روتے چلے آرہے ہیں۔ حالانکہ یہ رونا اب ہر لحاظ سے بے محل ہوچکا ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یہ مولوی اپنی دوکانوں کو اس مسئلہ کے بغیر بالکل بے رونق پاتے ہیں۔ یہ لوگ عوام پر ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ تحریک احمدیہ کے خلاف آواز اٹھا کر وہ دراصل اسلام کی بہت بڑی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ دین کی اصل خدمت نفاذ شریعت ہے۔ مدت ہوئی اسلام کو کوئی بیرونی خطرہ نہیں رہا۔ مولوی احمدیہ تحریک کو ملت کے لئے ایک سنگین خطرہ قرار دیتے

تھے۔ وہ خطرہ بھی جاتا رہا ہے۔ اب میدان ہر خطرہ سے پاک و صاف ہے ان مولویوں سے پوچھنے کا ہر شخص کو حق پہنچتا ہے کہ مسلم اقوام کو جو اب مسائل درپیش ہیں۔ ان کا حل پیش کر کے ان کی آپ کیوں رہنمائی نہیں کرتے۔ آپ نفاذ شریعت کا نعرہ بھی بلند کرتے ہیں اور پاکستان میں اس وقت پچانوے فی صد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ جہاں احمدیوں کے خارج از اسلام کرنے کے عمل میں پاکستان کے سارے مسلمانوں نے آپ کا ساتھ دیا تھا۔ وہی مسلمان نظام مصطفیٰ کے قیام اور نفاذ شریعت میں آپ کا کیوں ساتھ نہیں دیتے۔ اور جب ملک میں الیکشن ہوتے ہیں۔ تو تمام دینی جماعتوں کو ذلت آمیز اور عبرتناک شکست کیوں ہوتی ہے۔ اس صورتحال سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامیان پاکستان کے دلوں میں آپ کا کوئی مقام نہیں۔ آپ ملاں لوگوں نے احمدیوں کی مخالفت اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔ اور آئے دن گڑھے مردے اکھیڑتے رہتے ہیں۔ ہمارے ملک پاکستان میں مذہبی آزادی کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے۔ اب یہ آزادی صرف مسلمانوں کی اجارہ داری میں چلی گئی ہے۔ جملہ اقلیتوں کو یہ حق نہیں رہا کہ جس طرح انگریز کے زمانہ میں وہ کھلے بندوں اپنے دین کی تبلیغ کرتے تھے آج بھی اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر کریں مگر حکومتی سطح پر اعلان یہ ہوتا رہتا ہے کہ پاکستان میں تمام اقلیتوں کے سب بنیادی حقوق محفوظ ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے یہ مولوی پوری آزادی سے دندناتے پھرتے ہیں۔ اور حکومت ان کی پشت پناہی کرتی ہے۔ توہین رسالت کا کالا قانون پاس کروا رکھا ہے۔ جس سے دشمنی لینی ہوتی ہے اسے اس قانون کے تحت رگڑا جاتا ہے۔ اور عدالتیں بھی ملانوں کی دست برد سے محفوظ نہیں رہتیں۔ ان حالات میں ملانوں کے کذب و افترا کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے ہر احمدی عالم کو پاکستان سے باہر کسی دوسرے ملک کی آزاد فضا میں پناہ لینی پڑتی ہے۔

سب سے بڑے دکھ کی یہ بات ہے کہ جب یہ علماء تحریک احمدیہ پر گفتگو کرتے یا کچھ لکھتے ہیں تو تہذیب' شائستگی اور حسن اخلاق کو زیب طاق نسیاں کر دیتے ہیں۔ اور ایسی گندی زبان استعمال کرتے ہیں کہ اس سے اوباش قسم کے لوگ بھی شرما جائیں۔ مگر ہم احمدی اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے بھی اپنے قلموں اور اپنی زبانوں کو ان کی نقل کر کے ناپاک نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ اسوۂ حسنہ نبی صلعم اس کی اجازت نہیں دیتا۔

اب آیئے ان مولویوں کی تقریروں کا جائزہ لیتے ہیں۔ پہلے مولوی نے کہا ہے کہ اہل حدیث کے ہی مایہ ناز عالم دین مولوی محمد حسین بٹالوی نے حضرت مرزا صاحب کی تکفیر کا بیڑا اٹھایا تھا۔ فتویٰ کفر تیار کیا اور دو سو علماء کے دستخطوں سے جاری کیا۔ یہاں تک اس کی بات درست ہے۔ مگر جو وجوہ تکفیر کی اس فتویٰ میں بیان کی تھیں وہ سرتاپا افترا اور کذب صریح پر مبنی تھیں اور ان میں سچائی کا شائبہ تک نہ پایا جاتا تھا۔ وہ فتویٰ تکفیر جسے اس اہل حدیث مولوی نے مولوی محمد حسین بٹالوی کا مایہ ناز کارنامہ قرار دیا ہے۔ اس نے دراصل حضرت مرزا صاحب کے صادق مامور من اللہ ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔ کیونکہ حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے بزرگ علماء ربانی نے پہلے ہی لکھ دیا ہوا تھا کہ آنے والے مسیح کی ایسے ہی تکفیر کی جائے گی جیسے حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی ان کے زمانے میں بھرپور تکفیر کی گئی تھی اور اگر تکفیر نہ ہوتی۔ تو قرآن شریف کی آیت یاحسرة علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا به یستھزئون کا تخلف واقع ہو جاتا۔ جو ناممکن تھا۔ یہ خدا تعالیٰ کی سنت مستمرہ چلی آ رہی ہے کہ جب بھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہو کر آیا۔ تو اس کی قوم کے لوگوں نے بھرپور مخالفت اور استہزا سے کام لیا۔ اگر اس مولوی کی نگاہ قرآن شریف کی اس آیت کریمہ پر ہوتی اور تمام انبیاء اور مامورین الٰہی کی سوانح حیات کو پیش نظر رکھا ہوتا۔ تو وہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے اس کارنامہ کو جماعت اہل حدیث کے لئے باعث فخر کبھی قرار نہ دیتا۔

اس فتنہ تکفیر کا دوسرا پہلو بھی قابل غور ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس فتویٰ کے نتائج اور اثرات کیا ہوئے۔ کیا حضرت مرزا صاحب ان علماء اور عوام کی مخالفت سے خوفزدہ ہو گئے۔ اور آپ نے اپنے دعوؤں سے کنارہ کشی کر لی اور علماء کی خوشنودی کے لئے توبہ نامہ لکھ کر شائع کر دیا اور تمام وہ لوگ جو آپ کو سچا مان کر آپ کی بیعت کر چکے تھے۔ انہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ان تمام سوالوں کا حتمی جواب یہ ہے کہ حاشا و کلا ان میں سے کوئی ایک بات بھی ظہور پذیر نہ ہوئی اور حضرت اقدس کی جماعت کی ترقی میں شمہ بھر بھی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی۔ بلکہ فتویٰ کا اثر علماء کی خلاف توقع حضرت اقدس کے حق میں بڑا مثبت نکلا۔ اور آپ کی ذات گرامی عوام کی توجہ کا خاص مرکز بن گئی۔ اور آپ کی دینی سرگرمیوں میں اور جلا پیدا ہو گئی۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی اور اس کے ہمنوا تمام علماء سوائے ذلت اور ناکامی کے کچھ حاصل نہ کر سکے۔ اور قادیان جسے کوئی نہ جانتا تھا وہ خواص و عوام کی زیارت گاہ بن گیا۔ اور اس کی شہرت ہندوستان سے نکل کر دوسرے ممالک میں پھیل گئی۔ اور الہام "غلام احمد کی جے" پوری آب و تاب سے پورا ہو گیا۔

اس فتویٰ کفر کا تیسرا پہلو بھی ہے۔ جو بڑا عبرتناک ہے جب مولوی محمد حسین بٹالوی نے یہ دیکھا کہ فتویٰ کفر کی چال تو ناکام ہو گئی ہے اور حضرت مرزا صاحب کا تو بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ تو فوراً پینترا بدلا۔ اور انگریزی حکومت کا مخبر بن گیا۔ اور اپنے ماہوار رسالہ "اشاعت السنۃ" کا انگریزی ایڈیشن چھپوا کر سرکار انگریزی کی خدمت میں پیش کر دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی مہدی ہونے کا مدعی ہے۔ مہدی سوڈانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور جو اظہار وفاداری یہ شخص آئے دن کرتا رہتا ہے اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اسے جماعت بندی کرنے کے لئے وقت مل جائے۔ جونہی یہ شخص اپنی جمعیت بنا لے گا۔ انگریزی حکومت کے خلاف علم بغاوت کھڑا کر دے گا۔ مزید برآں یہ شخص

خفیہ طور پر امیر عبدالرحمان خان والئی افغانستان سے بھی ساز باز رکھتا ہے۔ اور اپنے مریدوں کے ذریعے اس سے خط و کتابت کرتا رہتا ہے۔ اس لئے اس کا سارا کاروبار حکومت کے لئے سخت خطرہ کا موجب ہے۔ اور چونکہ مہدی کے متعلق مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ تلوار سے کفار کو قتل کرے گا۔ اور اسلام تلوار کے زور سے پھیلائے گا اس لئے سرکار انگریزی کو واجب ہے کہ اس شخص کو فوراً گرفتار کیا جائے اور میں خود وہ شخص ہوں کہ کسی مہدی کے آنے کا قائل نہیں ہوں۔ اور مہدی سے متعلق تمام احادیث کو مجروح جانتا ہوں۔ اس لئے میں اس شخص کو دعویٰ مہدویت میں جھوٹا قرار دیتا ہوں۔ اور میں آمد مہدی کے غلط عقیدہ کو مٹانے کے لئے دن رات ملک بھر میں پھر پھر کر وعظ کرتا رہتا ہوں۔ اور حکومت برطانوی سے وفاداری کی تلقین کرتا پھرتا ہوں۔ اور پھر حکومت سے اس اپنی خیر خواہی کے صلے میں لائل پور (حال فیصل آباد) کے علاقے میں اراضی کے مربعوں کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ حکومت نے اس کی خیر خواہی اور حضرت مرزا صاحب کے خلاف مخبری کو درست مان لیا اور اس کو زمین کے چند مربعے عطا کر دیئے اور حضرت مرزا صاحب پر اپنی نگرانی کڑی کر دی۔ دیکھا آپ نے کہ اس شخص نے محض چند روزہ زندگی کے لئے کس بے دردی سے اپنے مسلمہ عقیدہ کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ اور حضرت مرزا صاحب کے خلاف جھوٹی مخبری کر کے اپنی عاقبت برباد کر لی۔ دوسری طرف حکومت نے ایک انگریز کپتان پولیس کو قادیان حضرت مرزا صاحب کے گھر کی تلاشی کے لئے بھیجا۔ وہ کپتان پولیس معہ چند اہل کاروں کے بوقت شام قادیان حضرت مرزا صاحب کے دروازے پر جا پہنچا۔ آپ اس وقت مع اپنے رفقاء کے مسجد مبارک کی چھت پر بغرض نماز مغرب تشریف فرما تھے۔ وہ انگریز انسپکٹر مع پولیس مسجد کی چھت پر چڑھ آیا۔ اور آتے ہی کہا کہ میں آپ کے گھر کی تلاشی لینے کے لئے آیا ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ آپ بڑی خوشی سے میرے گھر کی تلاشی لیں۔ کپتان پولیس نے بتایا کہ سرکار کو اطلاع ملی ہے کہ آپ لوگ والئی افغانستان امیر عبدالرحمان خان سے ساز باز رکھتے ہیں اور خفیہ خط و کتابت کرتے ہیں۔ حضرت اقدس نے اس الزام کی پرزور تردید کی۔ اور انگریزی حکومت سے اپنی مکمل وفاداری کا یقین دلایا اور فرمایا کہ آپ میرے گھر کی تلاشی میں اتنا توقف کریں کہ ہم اپنی مغرب کی نماز ادا کر لیں۔ اس نے اجازت دی اور خود چھت پر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ نماز مغرب نہایت رقت اور دلسوزی کے ساتھ پڑھی گئی۔ اور نمازیوں کی وارفتگی اور گریہ زاری دیکھ کر وہ انگریز افسر اپنی جگہ پانی پانی ہو گیا۔ جب حضرت مرزا صاحب نماز سے فارغ ہوئے۔ تو اس کپتان نے کہا۔ اب مجھے آپ کی خانہ تلاشی کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔ اور میں واپس جاتا ہوں۔ اس نے واپس جا کر حکام بالا کو اطلاع دی کہ میں نے تحقیقات کر لی ہے۔ جو خبریں کسی ذریعہ سے مرزا صاحب کے بارے میں حکومت کو پہنچی ہیں۔ وہ سب غلط اور بے بنیاد ہیں۔ اس طرح مولوی محمد حسین بٹالوی کا یہ بھرپور وار بھی خالی گیا۔ اور ذلت اور ناکامی اس کے گلے کا ہار بن گئی۔ اور حضرت مرزا صاحب کو خدا تعالیٰ نے عزت کے تخت پر بٹھایا۔

چوتھا پہلو بھی بڑا غور طلب ہے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے حضرت مرزا صاحب کو مسلمانوں کے اجتماعی عقیدہ آمد مہدی و مسیح کا منکر قرار دیکر ملحد کافر اور دجال قرار دیا تھا۔ اور اسی بناء پر دوسرے مولویوں سے آپ پر کفر کا فتویٰ لگوایا تھا۔ لیکن اس کے رسالہ "اشاعت السنۃ" کے انگریزی ایڈیشن سے عوام پر منکشف ہو گیا کہ اس شخص نے تو انگریزوں سے زمین حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کے اس اجتماعی عقیدہ کا انکار کر دیا ہے۔ اور یہ شخص تو ہمیں دھوکہ دیتا رہا ہے۔ یہ انکشاف بھی حضرت مرزا صاحب نے بذریعہ اشتہار کیا۔ اور اس میں اپنا الہام جزاء سیئۃ بمثلہا و ترھقھم ذلۃ بھی لکھا جس کے لفظی معنے یہ ہیں کہ بدی کی سزا ذلت ہے مگر اس ذلت کی مانند اور مشابہ جو فریق ظالم نے فریق مظلوم کو پہنچائی ہو۔ ظالم فریق مولوی محمد حسین تھا۔ جس نے حضرت مرزا صاحب پر فتویٰ تکفیر کروایا تھا اور وجہ یہ بتائی تھی کہ یہ شخص آمد مہدی و مسیح کا قائل نہیں حالانکہ یہ عقیدہ جمہور مسلمانوں میں مسلمہ چلا آرہا ہے۔ لیکن چند برس بعد اس شخص نے انگریز سے چند مربعے زمین حاصل کرنے کی خاطر اپنے رسالے "اشاعت السنۃ" کے انگریزی ایڈیشن میں صاف صاف لکھ دیا کہ وہ آمد مہدی کا ہرگز قائل نہیں اور جس قدر احادیث اس کے بارے میں ہیں ان سب کو وہ مجروح جانتا ہے۔ خدا کی شان ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کا اشتہار شائع ہونے کے ۱۱ دن بعد مولوی محمد حسین بٹالوی کا وہ انگریزی رسالہ حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ لگ گیا۔ جس سے اس کی بددیانتی کا راز فاش ہو گیا۔ اس پر حضرت اقدس کے ایک مرید ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب نے ایک استفتاء بدیں الفاظ حضرت اقدس سے لکھوایا:

"کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شخص مہدی موعود کے آنے سے جو آخری زمانہ میں آئے گا اور بطور ظاہر و باطن خلیفہ برحق ہو گا اور بنی فاطمہ میں سے ہو گا جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے قطعاً انکار کرتا ہے اور اس جمہوری عقیدہ کو کہ جس پر تمام اہل سنت دلی یقین رکھتے ہیں سراسر لغو اور بیہودہ سمجھتا ہے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنا ایک قسم کی ضلالت اور الحاد خیال کرتا ہے۔ کیا ہم اس کو اہل سنت میں سے اور راہ راست پر سمجھ سکتے ہیں یا وہ کذاب اور اجماع کا چھوڑنے والا اور ملحد اور دجال ہے۔ بینوا و توجروا" المرقومہ۔ ۲۹ دسمبر ۱۸۹۸ء

(السائل المعتصم باللہ الاحد مرزا غلام احمد عافاہ اللہ وایدہ)

ڈاکٹر صاحب نے حضرت اقدس کا نام نیچے سے حذف کر دیا۔ اور استفتاء اس زمانہ کے تمام نامی گرامی علماء کے پاس خود لیکر گئے۔ ان تمام علماء نے الگ الگ فتوے ڈاکٹر صاحب کو لکھ کر دیئے جن سب کا لب لباب یہ تھا کہ ایسا شخص

ضال مضل کافر اور دجال ہے اور دائرہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔ اور غضب یہ ہوا کہ مولوی محمد حسین کے پیرو مرشد شیخ الکل سید نذیر حسین دہلوی نے بھی یہ فتویٰ لکھ دیا کہ "یہ شخص مذکور سوال مفتری کذاب وضال ومضل و خارج از اہل سنت ہے۔ اور اس فتویٰ کے نیچے دہلی کے دوسری مستند علماء نے بھی دستخط کر دیئے۔ اس طرح یہ تمام فتوے مولوی محمد حسین کے خلاف جاری ہو گئے۔ اور انہیں ایک اشتہار کی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ اور یوں حضرت اقدس کا الہام جو ۲۱ نومبر کے اشتہار میں چھپا تھا۔ وہ بڑی آب و تاب سے پورا ہو گیا۔ اور جس ذلت کا اس میں ذکر تھا وہ اسی رنگ میں اس کے سارے وجود پر پڑ گئی۔ اور کفر کا فتویٰ اس کے خلاف انہی علماء نے جاری کیا۔ جن کے دستخطوں سے اس شخص نے حضرت مرزا صاحب پر فتویٰ کفر جاری کیا تھا۔

ابھی بات یہاں ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ اس رئیس المکفرین کی ذلت و رسوائی کے لئے پردہ غیب میں بہت کچھ باقی پڑا ہوا تھا۔ چنانچہ اس مولوی محمد حسین نے ایک درخواست ڈپٹی کمشنر گورداسپور ۳ دسمبر ۱۸۹۸ء کو دی کہ مرزا صاحب نے اپنے ۲۱ نومبر کے اشتہار میں میری ہلاکت کی پیشگوئی شائع کی ہے۔ اور مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ اس لئے سرکار دفعہ ۱۰۷ کے ماتحت ان سے حفظ امن کی ضمانت لے اور مجھے اپنے تحفظ جان کے لئے ایک چھرا رکھنے کی اجازت دی جائے۔ پولیس کی رپورٹ پر ڈپٹی کمشنر مسٹر ڈیکسن نے اس دفعہ کے تحت آپ کے خلاف فوجداری مقدمہ بنا دیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی مولوی محمد حسین کے خلاف بھی اس دفعہ کے تحت مقدمہ بن گیا۔ مسٹر ڈیکسن کا تبادلہ ہو گیا اور اس کی جگہ مسٹر ڈوئی ڈپٹی کمشنر نے مقدموں کی سماعت کی۔ اور بالآخر فیصلہ یہ صادر ہوا کہ

"آئندہ کوئی فریق اپنے کسی مخالف کی نسبت موت وغیرہ دل آزار مضمون کی پیشگوئی نہ کرے۔ کوئی کسی کو کافر اور دجال اور مفتری اور کذاب نہ کہے۔ کوئی کسی کو مباہلہ کے لئے نہ بلاوے اور قادیان کو چھوٹے کاف سے نہ لکھا جائے اور نہ بٹالہ کو طا کے ساتھ اور ایک دوسرے کے مقابل پر نرم الفاظ استعمال کریں۔ بدگوئی اور گالیوں سے مجتنب رہیں۔ اور ہر ایک فریق حتی الامکان اپنے دوستوں اور مریدوں کو بھی اس ہدایت کا پابند کرے اور یہ طریق نہ صرف باہم مسلمانوں میں بلکہ عیسائیوں سے بھی یہی ہونا چاہیئے۔"

اس فیصلہ پر حضرت مرزا صاحب اور مولوی محمد حسین بٹالوی دونوں نے دستخط کر دیئے اور یوں یہ فیصلہ اقرار نامہ کی شکل اختیار کر گیا۔ اس اقرار نامہ پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنی کتاب "تریاق القلوب" میں فرمایا:

"ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور نے اپنے حکم ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء میں مولوی محمد حسین سے اقرار نامہ پر دستخط کرائے کہ وہ آئندہ مجھے دجال اور کافر اور کاذب نہیں کہے گا۔۔۔ اب دیکھو کہ اس اقرار کے بعد وہ استفتاء اس کا کہاں گیا جس کو اس نے بنارس تک قدم فرمائی کر کے تیار کیا تھا۔ اگر وہ اس فتویٰ کے دینے میں راستی پر ہوتا تو اس کو حاکم کے روبرو جواب دینا چاہیئے تھا کہ میرے نزدیک بیشک یہ کافر ہے۔ اس لئے میں اس کو کافر کہتا ہوں۔ بالخصوص جس حالت میں کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں اب تک اور اخیر زندگی تک انہی عقائد پر قائم ہوں جن کو محمد حسین نے کلمات کفر قرار دیا ہے تو پھر یہ کس قسم کی دیانت ہے کہ اس نے حاکم کے خوف سے اپنے تمام فتوؤں کو برباد کر لیا۔۔۔۔ اس سے زیادہ اور کیا ذلت ہو گی کہ اس شخص نے اپنی عمارت کو اپنے ہاتھوں سے گرایا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس نوٹس پر میں نے بھی دستخط کئے ہیں۔ مگر اس دستخط سے خدا اور منصفوں کے نزدیک میرے پر کچھ الزام نہیں آتا اور نہ ایسے دستخط میری ذلت کا موجب ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا۔" (تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰)

اور پھر یہ امر واقع ہے کہ اس اقرار نامہ کے بعد مولوی محمد حسین بٹالوی حضرت مرزا صاحب کی تکفیر سے بکلی دستکش ہو گیا۔ دوسرے معنوں میں اس نے اپنا فتویٰ تکفیر جس پر اس اہل حدیث مولوی نے بڑا فخر کیا ہے واپس لے لیا۔ یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ تصرف الٰہی نے ہمیں ایک اور ایمان افروز نظارہ بھی دکھا دیا۔ حضرت مرزا صاحب نے ۴ مئی ۱۸۹۳ء کو ایک اعلان شائع فرمایا اور اس میں اپنی ایک رویا عربی زبان میں بیان فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے "میں نے دیکھا کہ یہ محمد حسین اپنی موت سے پہلے میرے مومن ہونے پر ایمان لائے گا اور میں نے دیکھا کہ گویا اس نے میری تکفیر کو ترک کر دیا ہے۔ اور اس سے رجوع کر لیا ہے۔ اور یہ میری رویا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو سچا کر دکھلائے گا۔"

حضرت اقدس کی اس رویا کا ایک پہلو تو ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء کے مذکورہ بالا اقرار نامہ سے سچا ثابت ہو گیا۔ اور دوسرا پہلو یا حصہ اسوقت سچ نکلا جب مولوی محمد حسین بٹالوی نے ۱۹۱۳ء میں لالہ دیو کی نندن سول جج درجہ اول گوجرانوالہ کی عدالت میں ایک مقدمہ میں بطور گواہ حلفی بیان دیا تھا۔ مولوی صاحب نے اپنے فرقہ اہلحدیث کے معتقدات کی بابت بیان کرتے ہوئے کہا:

"سب سے اول فرقہ حنفی۔ اس کے بعد تھوڑے عرصہ میں مالکی جو امام مالک کی طرف منسوب ہے۔ اس کے بعد فرقہ شافعی اور اس کے بعد فرقہ حنبلی جو امام احمد بن محمد بن حنبل کی طرف منسوب ہوا ہے۔ پہلے تمام اہل اسلام کا ایک ہی مذہب تھا اور امن کا زمانہ تھا اور کوئی کشمکش ان کی باہمی نہ تھی اور قریب زمانہ رسول اللہؐ کے سبب اور اصحاب رسول اللہ کے بعد ان کے تابعین کے سبب امن تھا۔ آپس میں ایسا اختلاف نہ تھا جس کے سبب ایک دوسرے کو برا کہے یا مخالفت کرے اس کے بعد جب باہمی نفسانیت پیدا ہو گئی اور اعتقاد بدعت کے پیدا ہو گئے تو لوگوں نے اپنے اپنے اماموں کی طرف کہ جن کی ان کو زیادہ تر محبت واعتقاد

تھا پیروی اختیار کی اور فرقہ بندی ہو گئی۔ یہ سب فرقے قرآن مجید کو خدا کا کلام مانتے ہیں اور یہ فرقے قرآن کی مانند حدیث کو بھی مانتے ہیں۔ ایک فرقہ احمدی بھی اب تھوڑے عرصہ سے پیدا ہوا ہے۔ جب سے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کا کیا ہے۔ یہ فرقہ بھی قرآن و حدیث کو یکساں مانتا ہے۔۔۔۔ کسی فرقہ کو بھی جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ہمارا فرقہ مطلقاً کافر نہیں کہتا۔"

اس عدالتی حلفی بیان نے مولوی محمد حسین صاحب کا فتویٰ تکفیر سے رجوع پوری طرح کامل کر دیا اور جیسا کہ ہمارے سلسلہ احمدیہ کے بعض بزرگوں سے ان کی ملاقاتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ مولوی صاحب نے یہاں تک رضامندی کا اظہار کر دیا تھا کہ اگر حضرت مرزا صاحب خود بقید حیات ہوتے تو میں ضرور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔ کاش یہ زمانہ حال کے اہل حدیث مولوی اپنے اس پیرو مرشد مولوی کے نقش قدم پر چل کر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی مخالفت اور دشمنی ترک کر دیں اور توبتہ النصوح کا پر عافیت رستہ اختیار کر لیں۔ نہ خود گمراہ ہوں اور نہ عوام کو گمراہ کریں۔

مولوی ثناء اللہ امرتسری کا قصہ

اس مولوی نے کہا ہے کہ اس کے مایہ ناز مولوی ثناء اللہ امرتسری نے حضرت مرزا صاحب کو بار بار مباہلہ کی دعوت دی مگر آپ نے ہر بار راہ فرار اختیار کی۔ اور آپ کے فرار نے نعوذ باللہ آپ کے کاذب ہونے پر مہر لگا دی۔ اور اس کارنامہ کا سہرہ مولوی ثناء اللہ ہی کے سر بندھ گیا جو اہل حدیث کے چوٹی کے عالم تھے۔ اہل حدیث کانفرنس میں یہ بات کہہ کر اس شخص نے اپنے حق میں واہ واہ تو ضرور کروالی۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ مباہلہ کی داستان جو تم بیان کرتے ہو۔ وہ کہاں لکھی پڑی ہے۔ اسے عامتہ الناس کے افادۂ عام کے لئے شائع کیوں نہیں کرتے۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ ان ملانوں کے پاس سوائے بدگوئی اور ہرزہ سرائی کے اور کچھ ہے نہیں۔ میں اپنے مضمون "اہل حدیث مولوی عبدالقیوم کی تقریر کا جواب" جنوری' فروری ۱۹۹۸ء میں مباہلہ کے اصل حالات تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ اور میں خدا کے فضل و کرم سے روز روشن کی طرح واضح کر چکا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں مولوی ثناء اللہ نے ہر بار مباہلے سے راہ فرار اختیار کی تھی۔ اس سلسلہ میں ایک بات مزید بیان کرنی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ میرے پہلے مضمون میں وہ بیان کرنی رہ گئی تھی۔

جب مولوی ثناء اللہ نے تیسری بار حضرت اقدس کے بالمقابل قسم کھانے سے انکار کیا اور یہاں تک لکھ دیا کہ میں تمہاری قسم کا اعتبار ہی نہیں کرتا۔ تو پھر آپ نے ایک اشتہار کے ذریعے جس کا عنوان "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" تھا۔ مولوی موصوف کو بجائے قسم کے بالمقابل دعا کے ذریعہ فیصلہ کرنے کی طرف دعوت دی اور دعوت کی ابتدا یوں کی۔

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

(۱) ایک مدت سے آپ کے پرچہ "اہل حدیث" میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے ہمیشہ مجھے آپ اپنے پرچہ میں مردود' کذاب' دجال' مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افترا ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ آپ اکثر اوقات اپنے ہر پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔۔۔۔ اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسانوں کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون ہیضہ وغیرہ مہلک بیماری آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئی تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔

(۲) یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے۔

(۳) میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے تو واقف ہے اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے آمین۔ مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے آمین یارب العالمین۔

(۴) بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

(الراقم عبداللہ الصمد مرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ وایدہ۔ مرقومہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء)

جب یہ اشتہار مولوی ثناء اللہ کو پہنچا۔ تو اس کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے۔ اور سخت گھبراہٹ اور سراسیمگی کی حالت طاری ہو گئی اس نے نہ اس کو اپنے پرچہ

اہل حدیث میں چھاپا اور نہ ہی بالمقابل دعا کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ کیونکہ اس میں اس کو اپنی ہلاکت صاف نظر آتی تھی۔ آج کے اہل حدیث مولوی گلے پھاڑ پھاڑ کر بڑی ڈھٹائی سے کہتے پھرتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ کے مقابلے میں حضرت مرزا صاحب راہ فرار اختیار کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ کہتے ہوئے ان کو شرم نہیں آتی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ثناء اللہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہوتا۔ تو حضرت مرزا صاحب کے اس اشتہار کو فوراً اپنے اخبار میں شائع کر کے اس کے نیچے بالمقابل اپنی دعا لکھ دیتا تا خدا تعالیٰ دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیتا۔ اس شخص نے چوتھی بار پھر بزدلی دکھائی۔ اور اپنے اخبار "اہل حدیث" مورخہ ۲۹ اپریل میں یہ جواب دیا۔

"اول یہ کہ اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا۔"

"دوم یہ کہ اس مضمون کو بطور الہام کے شائع نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں۔ بلکہ محض دعا کے طور پر ہے۔"

"سوم یہ کہ میرا مقابلہ تو آپ سے ہے۔ اگر میں مر گیا تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے؟"

"چہارم آپ نے بڑی چالاکی یہ کی کہ یہ دیکھا کہ ان دنوں طاعون کی شدت ہے۔ خصوصاً صوبہ پنجاب میں سب صوبوں سے زیادہ ہے۔ بالخصوص پنجاب کے دارالسلطنت لاہور میں جو امرتسر سے بہت قریب ہے۔ یہ کیفیت ہے کہ مردوں کا اٹھانا مشکل ہو رہا ہے۔ ایسی صورت میں ہر شخص طاعون سے خائف ہے۔ اور کوئی آج اگر ہے تو کل کا اعتبار نہیں اور دیکھنے میں بھی ایسا ہی آیا ہے کہ وہ ہے تو یہ نہیں یہ ہے تو وہ نہیں۔"

"پنجم تمہاری یہ دعا کسی صورت میں فیصلہ کن نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مسلمان تو طاعونی موت کو بموجب حدیث شریف کے ایک قسم کی شہادت جانتے ہیں۔ پھر وہ کیوں تمہاری دعا پر بھروسہ کر کے طاعون زدہ کو کاذب جانیں گے۔"

"ششم آپ نے ایک چالاکی یہ کی کہ پہلے تو صرف طاعون اور ہیضہ سے موت کی دعا کی مگر اخیر میں آ کر یہ بھی کہہ دیا کہ یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔"

"ہفتم آپ نے اپنے گذشتہ مضمون مندرجہ "اہل حدیث" ۱۹ اپریل کے فقرہ نمبر ۴ میں لکھا تھا کہ خدا کے رسول چونکہ رحیم و کریم ہوتے ہیں اور ان کی ہر وقت یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی شخص ہلاکت اور مصیبت میں نہ پڑے مگر اب کیوں آپ میری ہلاکت کی دعا کرتے ہیں۔"

مولوی ثناء اللہ کا یہ جواب صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس پر خدا کے مامور کا رعب پوری طرح حاوی ہو چکا ہے۔ اور صاف فرار کی راہ اختیار کر رہا ہے۔ اور اس کو اپنے خدا پر بھی بھروسہ نہیں کہ بالمقابل دعا کے وبال سے اس کی حفاظت پر وہ قادر ہے۔ اور کہتا ہے کہ جب خدا کے رسول رحیم و کریم ہوتے ہیں تو آپ کیوں میری ہلاکت کی دعا کرتے ہیں۔ اور نہایت بزدلی سے بالمقابل دعا سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔ یہ تھا علماء اہل حدیث کا ببر شیر جس پر یہ لوگ فخر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ شخص حضرت مرزا صاحب کے مقابلے میں بار بار بزدلی کا مظاہرہ کرتا رہا۔ اور ایک دفعہ بھی نہ مباہلہ کے لئے نہ قسم کھانے کے لئے اور نہ دعا کرنے کے لئے آمادہ ہوا۔

ایک دوسرا مولوی اٹھا جس نے پنجابی زبان میں تقریر کی۔ اس کا نام غالباً حبیب الرحمٰن یزدانی تھا۔ اس شخص نے ختم نبوت پر تقریر کرتے ہوئے وہی باتیں بیان کیں جو تمام علماء بالعموم بیان کرتے رہتے ہیں اور جماعت احمدیہ لاہور ان سے اتفاق رکھتی ہے۔ اس مسئلہ پر جو دلائل اس مولوی نے ازروئے قرآن شریف اور احادیث نبوی جلسہ میں پیش کئے وہ بالکل برمحل تھے۔ اور یہ بات بالکل درست ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت جاری ہوتی اور اس کا حصول آنحضرت صلعم کی اتباع پر منحصر ہوتا۔ تو نبوت پانے کے حضرات شیخین رضی اللہ عنہم ساری امت میں سب سے زیادہ حقدار تھے کیونکہ نبوت کے سراج منیر کا جسقدر قرب انہیں حاصل ہوا نبوت کی تابناک شعائیں جس قدر ان کے قلوب صافی پر پڑیں اس کی مثال تو قیامت تک ملنی امر محال ہے۔ اور اس مولوی کا یہ کہنا بھی درست ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو مکمل فرما دیا تھا۔ اس لئے نبوت کی اصل غرض و غائیت پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اور نبوت کا جاری رکھنا بے مقصد تھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کو صغر سنی میں ہی وفات دے دی۔

ختم نبوت پر تقریر کرتے ہوئے پھر اس مولوی نے اپنا رخ نزول ابن مریم کی طرف پھیر لیا۔ اور بڑے فخر سے کہا کہ حیات مسیح ابن مریم پر جو کتاب مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی نے لکھی وہ بڑی لاجواب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ان اہل حدیث علماء کے پاس حیات مسیح پر ایسے ہی لاجواب اور ناقابل تردید دلائل موجود ہیں اور انہیں یقین واثق ہے کہ ان دلائل کی معقولیت سے مسلمانوں کا علم دوست طبقہ کبھی انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہی احمدیوں سے ان کا ابطال ممکن ہے۔ تو پھر اس مسئلہ کو کیوں اپنے ہر سٹیج پر بیان نہیں کرتے۔ اور اپنے دلائل سے عام پبلک کو روشناس کراتے۔ نزول مسیح کے بارے میں جس قدر احادیث ہیں اگر ان کا وقوع الفاظ کے ظاہری معنوں کی صورت میں تسلیم کیا جانا لازمی ہے۔ اور انہیں تعبیر کا جامہ پہنانے کی قطعاً ضرورت نہیں تو پھر لازمی طور اس امر کا فیصلہ کرنا ناگزیر ہے کہ آیا واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجسد عنصری گذشتہ دو ہزار سال سے بغیر کچھ کھانے پینے کے اور بغیر کسی تغیر و تبدل آسمان پر زندہ بیٹھے ہوئے ہیں یا آپ باقی تمام انبیاء اور اولاد آدم کی طرح عمر طبعی پا کر وفات پا چکے ہوئے ہیں۔ اگر آپ واقعی ابھی تک زندہ و سلامت ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ واقعی آپ

نے ہی دنیا میں نزول ثانی فرمانا ہے۔ اور اگر آپ کی وفات ہو چکی ہوئی ہے۔ تو پھر یا تو تمام احادیث متعلقہ نزول ابن مریم کو اہل قرآن کی طرح رد کر دو۔ یا ان کی تاویل کرو جیسا کہ پیشگوئیوں کے بارے میں بالعموم تاویل کی جاتی ہے۔ مگر ہمیں جملہ علماء اسلام سے جو حیات مسیح کے قائل ہیں۔ یہ شکایت چلی آ رہی ہے کہ وہ ہمیشہ حیات مسیح کے موضوع پر از روئے قرآن و احادیث کلام کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ اور اپنی ہر مجلس میں محض طوطے کی طرح رٹ لگائے جاتے ہیں کہ حضرت مسیح آسمان پر زندہ موجود ہیں اور امت محمدیہ میں وہی نزول ثانی فرمائیں گے۔ اور احادیث کے وہ ظاہری معنے لیتے ہیں جو ان کے ظاہری الفاظ بتاتے ہیں۔ اس مولوی حبیب الرحمٰن نے بھی وہی رستہ اختیار کیا ہے اور کہتا ہے کہ وہ عیسٰی آسمان سے اترے گا اور دمشق کے مشرقی کنارے پر دو فرشتوں جبرائیل اور میکائیل کے کندھوں پر ہاتھ رکھے اترے گا۔ وہ مریم کا بیٹا تھا یہ مرزا چراغ بی بی کا بیٹا ہے۔ وہ خانہ کعبہ میں اترے گا اور وہاں کے امام الصلوٰۃ کے پیچھے نماز ادا کرے گا۔ اس کے اترتے ہی چاروں طرف خوشبو پھیل جائے گی اور خنزیر اس کی خوشبو سے ہلاک ہو جائیں گے۔ اور جب اپنا مشن مکمل کر لے گا۔ تو پھر اس کی موت واقع ہو جائے گی اور جب کہ نبی صلعم نے فرمایا ہوا ہے وھو یدفنی معی فی قبری کہ وہ میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہو گا۔ اور ادھر یہ مرزا ہے کہ اس کی ہڈیاں قادیان میں گل سڑ گئی ہیں۔ پھر اس مولوی نے بڑی حیرت انگیز بات یہ بیان کی ہے کہ مسیح کی آمد ثانی نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ امتی کی حیثیت سے ہو گی۔

میری طرف سے مولوی کی ان تمام باتوں کا اصولی جواب یہ ہے کہ جب تک تم لوگ از روئے قرآن اور احادیث حیات مسیح ثابت نہیں کر لیتے اس وقت تک تمہاری تشریحات جو تم احادیث کی کرتے ہو لائق اعتنا نہیں ہیں۔ قرآن شریف صاف طور پر وفات مسیح کی خبر دے رہا ہے۔ ایک حدیث شریف میں صاف طور پر آیا ہے کہ حضرت مسیح نے ایک سو بیس سال عمر پائی۔ کوئی غیرتمند مسلمان یہ جان کر کہ قرآن اور حدیث حضرت مسیح ابن مریم کی وفات کی خبر دیتے ہیں کبھی عیسائیوں کا عقیدہ نہیں اپنا سکتا۔ ان علماء نے ولادت سے لیکر وفات تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایسے معجزات اور محیر العقول کارنامے منسوب کر رکھے ہیں جو عیسائی پادریوں کو بہت بڑا ذخیرہ دلائل کا مہیا کر دیتے ہیں جن سے ان لوگوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ میں بھرپور فائدہ پہنچایا ہے۔ اور وہ صاف کہتے پھرتے ہیں کہ آخر کار اسلام اپنی نشاۃ ثانیہ اور اپنی فتوحات کے لئے ہمارے خداوند یسوع کا ہی مرہون منت ہو گا۔ ہمارا خداوند دوبارہ جب آئے گا تو وہ حیرت انگیز کارنامے سرانجام دے گا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی اور نبیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایسا انقلاب عظیم جو ساری دنیا پر محیط ہو گا۔ کبھی ظہور پذیر نہیں ہوا۔

ایک طرف تمام مسلمان یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء سے افضل تھے۔ اور آپ کی فضیلت روحانی اور دنیاوی دونوں لحاظوں سے مسلم مانتے ہیں۔ اور قرآن شریف نے اس امت کو سب امتوں سے افضل اور بہتر قرار دیا ہوا ہے اور نبی کریم صلعم نے اپنے اولیاء و صلحاء کو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا مقام دیا ہے۔ مگر ان تمام فضیلتوں کے باوجود ہم اس عقیدہ پر جمے بیٹھے ہیں کہ دنیا میں جو طوفان ضلالت آخری زمانے میں اٹھے گا اس کا مقابلہ کرنے میں یہ خیر امت بے بس ہو گی۔ اور اس کا خاتمہ مسیح ابن مریم جو رسول الیٰ بنی اسرائیل تھے کے ہاتھ سے ہو گا۔ یعنی امت محمدیہ سے باہر کا ایک نبی مسلمانوں کی رستگاری کرے گا۔ بالفاظ دیگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور فیض روحانی نعوذ باللہ ذالک اس وقت بے اثر ہو جائے گا۔ اور خدا اس شخص کو بھیجے گا جس نے اپنے زمانہ نبوت میں باوجود محیر العقول معجزات کا خزانہ رکھتے ہوئے صرف اتنی کامیابی حاصل کی کہ چھوٹی ذات کے لوگوں میں سے بارہ حواری پیدا کئے جن میں سے بعض وقت پڑنے پر دغا دے گئے۔ اگر کہو کہ جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو آپ کو بڑی روحانی اور مادی قوت خدا تعالیٰ عطا کرے گا۔ تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ جو خدا یہ طاقت ایک اسرائیلی نبی کو دے سکتا ہے۔ کیا وہ اس خیر امت کے کسی فرد کو نہیں دے سکتا۔ یہ مولوی ایسے فرسودہ خیالات سے دراصل اسلام سے دشمنی کرتے ہیں۔ قرآن شریف نہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر کرتا ہے اور نہ نزول ثانی کا۔ ان کو خدا نے اپنی طرف بلندی اسی طرح عطا کی جس طرح دوسرے انبیاء کو عطا کی۔ مگر خدا کسی خاص جگہ نہیں رہتا۔ وہ تجسم سے پاک ہے۔ جب اس کا کوئی جسم نہیں تو پھر کسی جسم کا اس کی طرف یا اس کے پاس جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ مزید بر آں جب ہمیں قرآن شریف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ثبوت مل چکا ہے تو پھر جس شخص کے آنے کی پیش گوئیاں احادیث میں مذکور ہیں وہ کوئی دوسرا شخص ہونا چاہیئے جو اپنے اندر حضرت عیسیٰؑ کی صفات رکھتا ہو۔ اور یہی احادیث کا بھی مقصد ہے اور احادیث میں تمام نام اور مقام محض علامتی ہیں۔ نہ آنحضرت صلعم کی قبر مبارک شق ہو گی اور نہ کوئی شخص آپؐ کی قبر میں دفن ہو گا۔ اور نہ اس کی وہاں گنجائش اور نہ امکان ہے۔ یہ سب باتیں تعبیر طلب ہیں۔ اور حضرت مرزا صاحب نے مسیح ابن مریم ہونے کا نرا دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ تمام متعلقہ احادیث کی صحیح تعبیر اور تشریح بھی اپنی کتب میں کی ہے۔ اور زمانہ کے حالات نے بھی گواہی دی ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ برحق اور احادیث کے بارے میں آپ کی تفہیم بھی برحق ہے۔ اگر میں ایک ایک بات کی وضاحت کرنے لگوں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ میں اپنے احباب کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ حضرت اقدس کی کتب مثلاً ازالہ اوہام، شہادت القرآن اور نزول مسیح کا ضرور مطالعہ کریں۔ اور اگر مزید توفیق ملے تو حضرت مرزا خدا بخش مرحوم و مغفور کی کتاب "عسل مصفی" کا مطالعہ کریں۔ ان کے مطالعہ کے بعد آپ اتنا علم حاصل کر لیں گے کہ کوئی بڑے سے بڑا مخالف مولوی آپ کے سامنے ٹھہر نہ سکے

گا۔

اس مولوی نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جب دوبارہ نزول فرمائیں گے تو نبی نہیں ہوں گے بلکہ امتی ہو کر نازل ہوں گے۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ بات قرآن شریف اور احادیث نبوی میں کہاں لکھی ہے اور کسی عالم ربانی کا نام لو جس نے یہ بات لکھی یا کہی ہو۔ نبوت تو موہبت ہے اور غیر منفک ہے۔ یہ کس بھلے مانس نے تم کو کہہ دیا کہ قرآن جس کو رسول الیٰ بنی اسرائیل کہتا ہے وہ اپنی نبوت سے معزول ہو کر آئے گا۔ کچھ تو خدا کا خوف کرو۔ خدا کے کلام پاک پر قاضی بننے کی جرات کرتے ہو اور عذاب قبر سے لاپرواہ ہو رہے ہو۔ مگر تم یہ بات اس لئے کہتے ہو کہ مبادا ختم نبوت پر حرف آ جائے۔ سو وہ حرف تو ضرور آئے گا جب تم مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے پر اصرار کرو گے۔ کیونکہ ختم نبوت ہی تو کسی پرانے یا نئے نبی کے آنے میں اصل روک ہے۔ اور ختم نبوت اور نزول ابن مریم اجتماع ضدین ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور اسی لئے تو کہتی ہے کہ نہ جمہور مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی قادیانی جماعت کے لوگ، ہمارے نزدیک دونوں ہی منکر ختم نبوت ہیں۔

مولوی حبیب الرحمٰن نے یہ افسوسناک بات بھی کہہ کر اپنی عاقبت برباد کی ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام تو نہایت ہی وجیہ اور خوبصورت انسان تھے اور نہایت خوبصورت آنکھیں رکھتے تھے۔ اور ادھر مرزا صاحب کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے کسی بیوہ کے گھر کا بجھا ہوا چراغ ہوتا ہے۔ ہم انبیاء اور صلحا کا ظاہری حسن کے لحاظ سے کوئی موازنہ کرنا بالکل نامناسب سمجھتے ہیں۔ یہ اللہ کے برگزیدہ لوگ سبھی ظاہر و باطن میں بڑے خوبصورت ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ جس فرد کو ارشاد و ہدایت کی مسند پر بٹھاتا ہے وہ ہر جسمانی نقص سے پاک ہوتا ہے۔ اس بدقسمت مولوی کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت مرزا صاحب نہایت وجیہ اور خوبصورت تھے اور آپ کی آنکھیں بہت بڑی بڑی تھیں۔ مگر آپ انہیں بالعموم نیم وا رکھتے تھے۔ آپ اپنی آنکھیں اس وقت کھولتے تھے جب آپ پر جلالی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ بالخصوص اس حالت میں کہ جب کسی ظالم اور سفاک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی گستاخی کی ہوتی۔ جن افراد کو آپ کی مجالس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ ان میں سے تو کسی نے بھی آپ کی آنکھوں اور حلیہ شریف پر کوئی نکتہ چینی نہ کی تھی۔ اور آپ کے مریدوں کا یہ عالم ہوتا تھا کہ آپ پر نثار ہو پڑتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجود مبارک اور کلام میں وہ تاثیر پیدا کر رکھی تھی کہ بیس سال سے کم عرصہ میں آپ کے مبایعین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی اور یہ لوگ مسلمان معاشرہ کے ہر طبقہ سے تعلق رکھتے تھے مولویوں اور پیروں نے مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مگر آپ کی جماعت کی روزافزوں ترقی میں کوئی روک نہ پیدا کر سکے۔ بلکہ ان کی مخالفت نے کھاد کا کام کیا۔ اور نخل حق کی پرورش میں وہ بڑی مدد و معاون ثابت ہوئی اور ان علماء کی بغض و عناد سے جلتی آنکھوں کے سامنے وہ شجر طیبہ کی صورت اختیار کر گیا۔ جس کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں چلی گئیں اور شاخیں آسمان تک پھیل گئیں۔

ہمیں اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ جس طرح علماء و یہود حضرت مسیح ابن مریم کو نہ پہچان سکے بلکہ ساری عمر درپے آزار رہے اسی طرح یہ یہودی صفت علماء مسیح محمدی کی پہچان سے محروم رہے ہیں۔ ان کی یہ مسلسل مخالفت اس مسیح کی اسرائیلی مسیح سے شدید مشابہت اور مناسبت کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کرتی ہے۔

محمدی بیگم کا قصہ

ایک مولوی نے بڑی گرجدار آواز میں محمدی بیگم کا قصہ چھیڑ دیا۔ اور کہا کہ مرزا صاحب نے اعلان کیا تھا کہ محمدی بیگم سے میرا نکاح آسمان پر ہو گیا ہے۔ یہ عورت میرے گھر میں میری بیوی بن کر ضرور آئے گی اور اگر کسی نے اس معاملہ میں کوئی تخلف کیا۔ تو وہ ہلاک ہو جائے گا مگر نہ محمدی بیگم ان کے حبالہ نکاح میں آئی۔ بلکہ ایک دوسرے شخص کے نکاح میں آکر اس کے گھر چلی گئی۔ اور نہ اس تخلف کے باعث کسی پر موت وارد ہوئی اور یوں مرزا صاحب کا کاذب ہونا ثابت ہو گیا۔

محمدی بیگم کا قصہ دراصل محض ایک خاندانی معاملہ تھا۔ جس کا تعلق باہر پبلک کے ساتھ نہ تھا۔ مگر محمدی بیگم کے لواحقین اس کو گھر کی چاردیواری سے نکال کر عوام کے گھروں تک لے گئے۔ اور اسے زیادہ گھمبیر بنا دیا۔ اپنے احباب جماعت کے شکوک کو رفع کرنے کے لئے مجھے یہ واقعہ کسی قدر تفصیل سے بیان کرنا پڑے گا۔

محمدی بیگم کون تھی؟

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے محمدی بیگم اور اس کے خاندان کے بارے میں کچھ بیان کر دیا جائے۔ حضرت اقدس کے دو چچازاد بھائی مرزا نظام الدین اور امام الدین تھے۔ ان دونوں بھائیوں کی ایک بہن حضرت اقدس کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کی بیوی تھی اور دوسری بہن مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کی بیوی تھی۔ مرزا احمد بیگ کے بڑے بھائی مرزا محمد بیگ سے حضرت مرزا صاحب کی بہن بیاہی ہوئی تھیں۔ جو جوانی میں ہی وفات پا گئی تھیں۔ حضرت اقدس کے ایک اور چچا مرزا غلام حیدر مرحوم تھے جن کا بیٹا مرزا غلام حسین، مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کا بہنوئی تھا۔ محمدی بیگم مرزا احمد بیگ کی بیٹی اور مرزا امام الدین و نظام الدین کی سگی بھانجی تھی۔ مرزا احمد بیگ نے اپنی بہن امام بی بی کو تحریک کی کہ وہ اپنے مفقود الخبر شوہر کا ترکہ محمدی بیگم کے بھائی محمد بیگ کے نام ہبہ کر دے۔ مگر یہ حضرت اقدس کی رضامندی کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ اس خاندانی تفصیل سے آپکو

معلوم ہوگیا کہ محمدی بیگم حضرت اقدس کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھی۔ مگر وہ تمام رشتہ دار آپ کے اشد ترین دشمن تھے۔ اور آپ کو بے عزت کرنے اور آپ کے وقار کو نقصان پہنچانے کے لئے ہر ناجائز حربہ استعمال کرتے تھے اور ان میں کا بیشتر حصہ پرلے درجہ کا بیدین اور دہریہ تھا۔ اور وہ آنحضرت صلعم کی شان میں علی الاعلان گستاخیاں کرتے تھے یہاں تک کہ اشتہار بھی چھاپ دیا کہ کوئی خدا کا وجود نہیں ہے یہ سب ملاں لوگوں کا ڈھکوسلا ہے اور رسول اللہ صلعم کو گالیاں دیں۔ وہ آزادی کا زمانہ تھا توہین رسالت کی سزا کا اس زمانے میں کوئی تصور نہ تھا۔ مگر بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ سوائے حضرت اقدس کے خدا اور رسول ؐ کے لئے غیرت کھانے والا اور کوئی عالم دین نہ تھا جو ان کی آئے دن کی گستاخیوں سے ان کا منہ بند کرتا۔ حضرت اقدس نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو بھی ان کی حد سے بڑھی ہوئی دشنام طرازیوں سے آگاہ کیا مگر وہ بھی مہر بہ لب رہتے۔ یہ لوگ ایک طرف خدا اور رسول ؐ کو گالیاں دیتے تھے تو دوسری طرف آپ سے شریکہ کی دشمنی کو ہوا دیتے تھے۔ چونکہ خدا تعالیٰ آپ کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے رہا تھا اور آپکی نیک شہرت او پارسائی دن بدن پھیل رہی تھی اس لئے اپنے بغض و حسد کی آگ میں جلتے رہتے تھے۔ اور آپ کی دینداری، تقویٰ اور الہامات کو اپنی طعن بازی کا نشانہ بناتے رہتے تھے۔ اور شب و روز کفار مکہ کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

حضرت اقدس نے ان لوگوں کی بیدینی اور دہریت کے متعلق کچھ تفصیل اپنی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" کے عربی حصہ میں تحریر فرمائی ہے۔ میں اس کا اردو زبان میں ترجمہ سناتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

"ایک رات ایسا ہوا کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص میرے پاس روتا ہوا آیا۔ میں اس کے رونے سے ڈر گیا اور اس سے کہا کیا تو کوئی موت کی خبر لایا ہے۔ اس نے کہا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اور بتایا کہ میں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو اللہ کے دین سے مرتد ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے رسول اللہ صلعم کو نہایت غلیظ گالی دی جو میں نے اس سے پہلے کسی کافر کے منہ سے بھی نہیں سنی اور میں نے انہیں دیکھا کہ قرآن کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھتے ہیں اور ایسے کلمات منہ سے نکالتے ہیں کہ زبان ان کے نقل کرنے سے قاصر ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود نہیں اور نہ دنیا میں کوئی معبود ہے۔ صرف مفتریوں نے جھوٹی باتیں بنا رکھی ہیں۔"

اور آگے چل کر ان لوگوں کے اشتہار کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"جب ان کا یہ اشتہار مجھے پہنچا جس کو اس شخص نے لکھا تھا جو ان میں عمر اور خباثت کے لحاظ سے بڑا تھا اور اس میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایسی گالیاں دیکھیں جن سے مومنوں کے دل پھٹ جائیں اور مسلمانوں کے کلیجے چیرے جائیں اور اس میں نہایت غیر شریفانہ رذیل اور احمقانہ باتیں اور شریعت غرا کی توہین اور کلام اللہ کی ہجو نظر آئی تو نہایت افسوس اور غضب کے ساتھ میں بھر گیا اور میں نے دیکھا کہ اس میں ایسے کلمات ہیں جن سے قریب ہے آسمان پھٹ جائیں۔۔۔۔ پس میں نے دروازوں کو بند کر لیا اور رب وہاب کو پکارا! اور اپنے آپ کو اس کے آگے ڈال دیا اور سربسجود ہو کر اس سے التجا کی اور نہایت تضرع کے ساتھ اس کی مدد طلب کی اور وہ سب کچھ کیا جو میں اپنی زبان اور آنکھوں کے ساتھ کر سکتا تھا اور اس کو سوائے رب العالمین کے اور کوئی نہیں جانتا اور میں نے پکارا! اے رب۔ اپنے بندہ کی نصرت فرما اور اپنے اعدا کو ذلیل و رسوا کر۔ قبول کر اے میرے رب میری دعا کو قبول کر۔ یہ قوم تیرے اور تیرے رسول صلعم کے ساتھ تمسخر اور استہزا کر رہی ہے اور تیری کتاب کی تکذیب میں مصروف ہے اور وہ تیرے نبی صلعم کو گالیاں دیتے ہیں۔ تیری رحمت سے میں فریاد کرتا ہوں۔ اے حی و قیوم اور اے مددگار۔ پس رحم کیا میرے رب نے میری تضرعات پر اور فرمایا کہ میں نے ان کے عصیاں اور سرکشی دیکھی ہے۔ جلد ہی میں ایسی آفات کا عذاب ان پر وارد کروں گا جو آسمان کے نیچے سے ان کو پہنچے گا اور تو دیکھے گا کہ میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں اور ہم ہر چیز پر قادر ہیں۔ میں ان کی عورتوں کو رانڈ اور ان کے بیٹوں کو یتیم بنادوں گا اور ان کے گھروں کو ویران کر دوں گا۔ لیکن میں انہیں ایک مرتبہ ہلاک نہیں کروں گا بلکہ تھوڑے تھوڑے کر کے ہلاک کروں گا تا کہ وہ رجوع کریں اور توبہ کرنے والوں میں ہو جائیں۔" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۸-۵۶۹)

اس منذر پیشگوئی کے ظہور کا وقت بھی آن پہنچا۔ جس کی ابتدا یوں ہوئی۔ کہ مرزا احمد بیگ کو اپنے مفقود الخبر بہنوئی کی جائیداد اپنے بیٹے کے نام ہبہ کرانے کے لالچ نے حضرت اقدس مرزا صاحب سے رجوع کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ آپ نے اس کے اصرار پر وعدہ فرمایا کہ میں استخارہ کے بعد مفقود الخبر مرزا غلام حسین کی جائیداد کے ہبہ نامہ پر دستخط کروں گا۔ مگر استخارہ کے دوران آپ پر الہامات اور انکشافات ہوئے جن کا مطلب یہ تھا کہ آپ احمد بیگ کی دختر کلاں محمدی بیگم کا رشتہ اپنے لئے مانگو۔ اگر اس نے رضامندی ظاہر کر دی تو یہ ان کے لئے ایک رحمت کا نشان ہو گا اور وہ خدا تعالیٰ سے رحمت و برکت پائیں گے اور اگر انکار کر دیا تو خدا ان کو عذاب کا نشان دکھائے گا اس صورت میں محمدی بیگم کے والد نے اگر اس کی شادی کسی اور جگہ کر دی تو تاریخ نکاح سے عرصہ تین سال کے اندر ہلاک ہو جائے گا اور جس سے نکاح ہو گا وہ بھی اڑھائی سال کے اندر مر جائے گا۔

اس منذر پیشگوئی کا اصل مقصد جو صاف طور پر دکھائی دیتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو رحیم و کریم اور اپنی مخلوق سے سب سے زیادہ محبت کرنیوالا ہے اس بیدین اور دہریہ خاندان کی اصلاح چاہتا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنی نادانی اور کم علمی کے باعث وہ دنیا سے بالکل نابود ہو جائے۔ اور جس طرح قوم صالحؑ کے آگے ایک اونٹنی کھڑی کر دی اسی طرح اس خاندان کی اصلاح کے لئے انہی کی ایک خاتون کھڑی کر دی اور اس معاملہ میں حضرت اقدس کے اپنے نفس کی کوئی بات نہ

تھی۔ آپ کے اپنے گھر میں دو بیویاں تھیں پہلی بیوی اپنے ہی خاندان کی خاتون تھی اور دوسری دہلی کے خاندان سادات سے تھیں اور آپ کو ہر طرح آرام اور اطمینان میسر تھا۔ علاوہ ازیں محمدی بیگم میں کوئی قابل کشش وصف بھی موجود نہ تھا۔ ایک عام سی ناخواندہ لڑکی تھی لہٰذا اس معاملہ میں نفسانی خواہشات کا کچھ عمل دخل نہ تھا۔ اس سارے خاندان کو صرف راہ راست پر لانا مقصود تھا۔

لیکن جونہی حضرت اقدس کا یہ پیغام مرزا احمد بیگ کو ملا۔ تو سارا خاندان مارے غصے کے لال پیلا ہو گیا۔ اور حضرت اقدس کو پانی پی پی کر کوسنے لگا آپ نے پھر بھی صبر اور تحمل سے کام لیا اور انہیں بہترا سمجھایا کہ اس میں ان ہی کا فائدہ ہے۔ عرصہ دراز کی باہمی دشمنی اور بغض و عناد کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور مفاہمت 'محبت اور مودت ان کی جگہ لے لے گی۔ اور جس تباہی و بربادی کی طرف وہ بڑھے چلے جا رہے ہیں اس سے بھی وہ بچ جائیں گے۔ آپ نے اس سلسلہ میں خط و کتابت کو خاندان کی سطح پر محدود رکھا۔ مگر وہ لوگ اس معاملہ کو پبلک میں لے آئے اور جواب میں دشمنان اسلام کے اخباروں کا تعاون حاصل کیا۔ حضرت اقدس نے انہیں صاف طور پر متنبہ کر دیا کہ اگر انہوں نے آپ کے پیغام کو رد کر دیا اور محمدی بیگم کا نکاح کسی اور جگہ کر دیا تو اس کا نتیجہ ضرور وہی نکلے گا جس کی اطلاع آپ کو خدا تعالیٰ سے استخارہ کے دوران مل چکی تھی۔ مگر ان لوگوں نے قطعاً پرواہ نہ کی اور محمدی بیگم کا نکاح ایک شخص مرزا سلطان محمد جو پٹی کے رہنے والے تھے سے کر دیا۔ اور یوں عذاب الٰہی کو بے خوفی سے دعوت دے دی۔

مرزا احمد بیگ کی موت اور مصائب کا وارد ہونا

حضرت اقدس نے ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء کو تتمہ اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء میں تحریر فرمایا:

"اشتہار مندرجہ عنوان کے صفحہ ۶ میں یہ جو الہام درج ہے فسیعصمکم اللہ اس کی تفصیل مکرر توجہ سے یہ کھلی ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے کنبہ اور قوم میں ایسے تمام لوگوں پر کہ جو اپنی بیدینی اور بدعتوں کی حمایت کی وجہ سے پیشگوئی کے مزاحم ہونا چاہیں گے اپنے قہری نشان نازل کرے گا۔ اور ان سے لڑے گا اور انہیں انواع و اقسام کے عذابوں میں مبتلا کرے گا اور وہ مصیبتیں ان پر اتارے گا جن کی ہنوز انہیں خبر نہیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہو گا جو اس عقوبت سے خالی رہے کیونکہ انہوں نے کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ بے دینی کی راہ سے مقابلہ کیا۔"

محمدی بیگم کا نکاح مرزا سلطان محمد سے اپریل ۱۸۹۲ء میں ہوا۔ خدا کی شان اس کے نکاح کو ابھی تین ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ احمد بیگم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو گیا۔ سب سے پہلے اس کا جوان بیٹا دنیا سے چل بسا پھر دو ہمشیرگان لقمہ اجل ہو گئیں اور پھر تپ محرقہ میں خود بیمار پڑ گیا۔ اور نکاح سے چھ ماہ بعد ۳۰ ستمبر ۱۸۹۲ء کو راہی ملک عدم ہو گیا۔ اور محمدی بیگم کی ماں پانچ چھ بچوں کی پرورش کے بھاری بوجھ

میں دب گئی اور گھر کا سارا غرور اور تکبر خاک میں مل گیا۔ پیشگوئی کا یہ حصہ جس صفائی سے پورا ہوا اس کا اعتراف اہل حدیث کے مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی صاف طور پر اپنے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں کیا۔ پھر دوسری طرف محمدی بیگم کے ماموؤں مرزا نظام الدین اور امام الدین کے گھرانے پر بھی عذاب الٰہی کی بجلی گری۔ یہی لوگ دراصل سارے فتنے کے بانی مبانی تھے۔ یہی بنیادی طور پر اللہ اور اس کے رسول صلعم اور اس کی کتاب کے دشمن تھے۔ اور خدا سے بغاوت اور سرکشی میں اپنی مثال آپ تھے۔ یہ تین بھائی تھے اور بڑے وسیع کنبہ رکھتے تھے اور ان کے گھروں میں خوب چہل پہل رہتی تھی مگر جب عذاب الٰہی نازل ہوا۔ تو ایک ایک کر کے سارا کنبہ خالی اور ویران ہو گیا۔ اور صرف ایک بچہ مرزا گل محمد باقی بچا اور وہ بھی عذاب الٰہی سے اس لئے بچا رہا کہ وہ حضرت اقدس کی بیعت میں داخل ہو گیا۔ اور یوں وہ خدا کی حفاظت و امان میں آ گیا۔

مرزا سلطان محمد خدائی عذاب سے کیوں محفوظ رہا

جب مرزا احمد بیگ ہوشیارپوری کے گھر پر عذاب الٰہی سے تباہی آئی۔ تو مرزا سلطان محمد کے اپنے خاندان میں تہلکہ مچ گیا۔ اور خوف و ہراس نے ان کے چھکے چھڑا دیئے اور وہ خوفزدہ ہو کر حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف جھکے اور اپنے لئے آپ سے دعاؤں کی درخواستیں کرنے لگے۔ اور وہی نظارہ مومنین کی جماعت کو دوبارہ دیکھنا نصیب ہوا۔ جو مکہ مکرمہ میں رونما ہوا تھا۔ جس میں کفار مکہ نے بالآخر قحط کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے لئے رجوع کیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی دعا سے قحط دور ہو گیا۔ اسی طرح مرزا سلطان محمد کے خاندان والے اور خود بھی حضرت اقدس سے دعا کرانے بذریعہ خطوط حاضر ہوئے۔ اور ساتھ ہی مرزا سلطان محمد کی والدہ اور دوسرے رشتہ داروں نے صدقے دیئے قربانیاں کیں' خیراتیں بانٹیں۔ توبہ استغفار کی اور راقم خاندان کے بعض افراد کا ثقہ بیان ہے کہ مرزا احمد بیگ کے مرتے ہی سارے خاندان پر ہیبت طاری ہو گئی اور کہتا تھا کہ ہماری توبہ ہے ہماری کیا مجال ہے کہ ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی شان میں کوئی گستاخی کریں۔ اور خود مرزا سلطان محمد کا اپنا رویہ بڑا عاجزانہ اور مخلصانہ ہو گیا۔ اب ظاہر ہے جب وہ لوگ اپنی اصلاح کر گئے اور اپنے پہلے رویہ کو بکلی ترک کر دیا۔ تو وہ لوگ تقدیر معلق کی حفاظت میں آ گئے۔ اور جن افراد نے بغاوت اور سرکشی کو جاری رکھا اور حضرت اقدس کے انتباہ کو حقارت کی نظر سے دیکھا ان پر تقدیر مبرم کی تلوار چل گئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے الٰہی انتباہ کو حقیر جانا اور اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ اس لئے تقدیر مبرم نے ان کو آن پکڑا اور پیس ڈالا۔ دوسری طرف حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے رویہ میں اصلاح ہو گئی وہ عذاب الٰہی سے بچ گئی۔ اور وہاں تقدیر معلق نے اپنا ایمان افروز مظاہرہ دکھا دیا۔ یہ درست ہے کہ مرزا سلطان محمد اور محمدی بیگم نے حضرت اقدس کی بیعت نہ کی تھی۔ لیکن عذاب الٰہی سے ان کا محفوظ رہنا بیعت سے مشروط نہ

تھا۔ ان کے اندر دینداری اور خدا خوفی پیدا کرنا اصل مقصد تھا۔ وہ اپنے گناہوں کی معافی کے لئے آستانہ الٰہی پر گر گئے۔ اور تلافی مافات کے لئے صدقات دیئے قربانیاں دیں اور خیراتیں بانٹیں۔ اور استغفار کو وظیفہ جان بنالیا۔ پس اللہ تعالیٰ بھی رجوع برحمت ہوا۔ جہاں تک حضرت اقدس مرزا صاحب کی ذات کا تعلق ہے تو مرزا سلطان محمد صاحب کے اپنے ایک رشتہ دار جو احمدی ہو گئے تھے' استفسار پر ان کو اپنے ایک خط کے ذریعے اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا:۔

السلام علیکم۔ نوازش نامہ آپ کا پہنچا۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک بزرگ اور اسلام کا خدمتگذار۔ شریف النفس۔ خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کرتا ہوں۔ مجھے ان کے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے ان کی زندگی میں ان کا شرف زیارت حاصل نہ کر سکا"

(نیازمند۔ سلطان محمد)

پھر اس پر مستزاد بات یہ ہے کہ اگرچہ بعض وجوہات کی بنا پر وہ حضرت اقدس کی بیعت نہ کر سکے تاہم انہوں نے اپنے بیٹے کو بیعت کروا کر سلسلہ احمدیہ میں داخل کرا دیا تھا۔ خود محمدی بیگم نے اپنے ایک خاص رشتہ دار کو بتایا کہ جس وقت انہیں اپنے خاوند مرزا سلطان محمد کو فرانس میں گولی لگنے کی اطلاع ملی تو انہیں سخت تشویش اور گھبراہٹ ہوئی۔ اسی حالت میں انہیں حضرت مرزا صاحب رات کے وقت خواب میں اس طرح نظر آئے کہ ہاتھ میں ایک دودھ کا پیالہ ہے اور ان سے کہتے ہیں "اے محمدی بیگم یہ دودھ پی لے اور تیرے سر کی چادر سلامت ہے فکر نہ کر" اور کہنے لگیں کہ مجھے اس خواب سے اپنے شوہر کی خیر و عافیت کے بارے میں پورا اطمینان ہو گیا۔ ان حالات میں کون شخص کہہ سکتا ہے کہ مرزا سلطان محمد کو پیشگوئی میں بیان کردہ اڑھائی سال کی میعاد کے اندر ضرور مرنا چاہئے تھا۔

حضرت اقدس نے لکھا تھا کہ محمدی بیگم سے آپ کا نکاح تقدیر مبرم ہے لیکن چونکہ پیشگوئی مشروط تھی یعنی جو لوگ رجوع الی الحق کر جائیں گے وہ عذاب الٰہی سے بچ جائیں گے اور جو نہ کریں گے ان پر عذاب ضرور ہو گا۔ اس طرح پیشگوئی میں تقدیر معلق اور تقدیر مبرم دونوں موجود تھیں۔ نکاح کے بارے میں حضرت اقدس نے کسی وحی یا الہام کی بنا پر تقدیر مبرم نہیں لکھا تھا۔ یہ محض آپ کا اجتہاد تھا جو درست نہ نکلا۔ اور اجتہادی غلطی سے کسی اہل اللہ کی شان میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

مخالف علماء کا کردار

جن دنوں مرزا نظام الدین اور امام الدین کا سارا کنبہ اور ان کے دور و نزدیک کے لواحقین علی الاعلان خدا' اس کے رسول صلعم اور اس کی کتاب مقدس کی توہین اور تذلیل کر رہے تھے اور اشتہار کے ذریعے اپنے ناپاک اور باغیانہ اور سفیہانہ خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ تو کوئی عالم دین شمع رسالت کا پروانہ بن کر نہ اٹھا اور کسی نے ان لوگوں کے منہ میں لگام نہ دی اور نہ کوئی شور و غوغا کیا مگر جب حضرت مرزا صاحب کی محمدی بیگم کے ساتھ نکاح کی بات خاندان کی چار دیواری سے خاندان کے ان کوتاہ اندیشوں کی حماقت سے باہر سر عام آ گئی تو یہ لوگ خم ٹھوک کر میدان میں اتر آئے۔ اور انہوں نے وہی کچھ کیا جو اشرار کا خاصہ ہوتا ہے اور بے شرمی کی یہ حد ہے کہ اپنی آنکھوں سے پیشگوئی کو بڑی آب و تاب سے پورا ہوتے ہوئے دیکھنے کے باوجود رٹ لگاتے رہے کہ وہ پوری نہیں ہوئی۔ اب اس ہٹ دھرمی کا ہمارے پاس کیا علاج ہے۔ حق اور باطل میں تمیز کرنے کی توفیق تو صرف اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو لوگوں پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا۔ تمہارا کام پہنچا دینا ہے۔ آگے سچائی کا قبول کرنا یا نہ کرنا لوگوں کا اپنا کام ہے۔ یہ لوگ ایسے شقی القلب ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کی مثال سے بھی کوئی سبق اور رہنمائی حاصل نہیں کرتے۔

تاریخ کا ایک پوشیدہ ورق

ترجمہ: ممتاز احمد باجوہ 'ایم۔اے

کانگریس کی طرف سے اپریل ۱۹۴۷ء میں ایشیائی کانفرنس کا انعقاد

ووکنگ مسلم مشن کے ایک کارکن کے خفیہ کارنامہ نے اسے ناکام بنا دیا

خواجہ صلاح الدین احمد

(خواجہ صلاح الدین احمد حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم و مغفور کے صاجزادے تھے۔ آپ چالیس کی دہائی میں ووکنگ مسلم مشن 'انگلستان کے ایک سرگرم کارکن تھے۔ اس کے بعد آپ نے ڈالمیا انشورنس' دہلی میں ملازمت اختیار کرلی۔ قیام پاکستان کے بعد ڈالمیا سیمنٹ کمپنی کراچی میں آ گئے۔ عمر کے آخری ایام میں پاکستان ایمپلائز ویلفیئر سوسائٹی 'کراچی کے سیکرٹری تھے۔ مدیر)

قیام پاکستان سے قبل ایک دوسرا واقعہ ہے جس میں شاہجہان مسجد' ووکنگ اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم و مغفور کے نام تحریک پاکستان کے دشمنوں کے خلاف بروقت چوٹ لگانے میں کام آئے۔ پہلا واقعہ چوہدری رحمت علی کے تصور پاکستان کے متعلق ولولہ انگیز چنگاری سے txa جو ان میں ووکنگ مسلم مشن کے "سنڈے اجلاسوں" کے ذریعہ پیدا ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیں "تصور پاکستان کی تخلیق میں ووکنگ مسلم مشن کا کردار (پیغام صلح مئی' جون ۱۹۹۷ء)

۱۹۴۷ء کا سال برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے لئے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ مرکز میں وزیر اعظم پنڈت نہرو کی زیر سرکردگی ایک مخلوط حکومت قائم ہو چکی تھی۔ کابینہ میں لیاقت علی خان وزیر خزانہ 'عبد الرب نشتر اور چند دیگر بھی شامل تھے۔

مسلمانوں کا خیال تھا کہ قیام پاکستان سے قبل یہ ایک عبوری انتظام ہے لیکن ہندو ذہنیت جیسا کہ وہ ہمیشہ درپردہ مذموم ارادے رکھتا تھا اس عارضی انتظام کو مسلمانوں کے اوپر مستقل بالادستی سمجھ رہا تھا۔

ہندو اس موقع کو کسی طرح ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اور اسے اپنے فائدہ کے لئے استعمال کرنے کی فکر میں تھا۔ پنڈت نہرو نے فوری طور پر اپریل ۴۷ء میں ایشین کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا جس کا اہتمام انڈین کانگریس کے زیر نگرانی تھا۔

تمام ایشیائی ممالک اور خاص کر اسلامی ممالک کی طرف سے اس کانفرنس کے دعوت ناموں کا جواب بڑا حوصلہ افزا تھا۔ کانگریسی مسلمان تمام ہندوستان سے ان وفود کے استقبال کے لئے خصوصی طور پر جمع ہوئے۔ اس نہایت ابتدائی دور میں بھی پنڈت نہرو اسرائیل کو نہ بھولے تھے۔ صرف اس ملک سے چالیس افراد پر مشتمل وفد شمولیت کر رہا تھا۔

اس کانفرنس کا مقصد نظریہ پاکستان کو قیام پاکستان سے قبل ہی ختم کرنا تھا۔ اگر اِدھر اُدھر سے اس کی حمایت میں کوئی آواز اٹھتی تو اس کو یہ ظاہر کیا جاتا کہ مسلمان مرکز میں تین وزارتوں کے علاوہ چند اور عہدے حاصل کرنے کے لئے سیاسی سودے بازی کا طریق اختیار کر رہے ہیں۔ قیام پاکستان کے متعلق دنیا کی رائے کو بدلنے کے لئے یہ ایک سوچی سمجھی سکیم تھی اور اس حکمت عملی کو کامیاب بنانے کے لئے پنڈت نہرو نے کرشنا مینن کو اپنا خاص مددگار مقرر کیا۔

قائد اعظم کی باریک نگاہ نے اس کھیل کو قبل از وقت بھانپ لیا اور انہوں نے اس کانفرنس کے بائیکاٹ کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ ان کو نظر آ رہا تھا کہ اس میں شرکت بہت خطرناک ہو سکتی ہے۔ یہ عقل مندی اور فراست کی جنگ تھی۔ گو وقتی طور پر پنڈت نہرو کے لئے فائدہ اٹھانے کا موقع تھا لیکن اس کے بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ بالکل صحیح تھا۔

میں اس وقت پرانی دہلی میں مقیم تھا اور دوسرے مسلمانوں کی طرح میں بھی واقعات کے اس اتار چڑھاؤ سے پریشان تھا اور اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ میرا تعلق تحریک پاکستان سے ابتدائی دور سے کافی رہا تھا۔

میں نے اخبارات میں پڑھا کہ مصطفیٰ مومن جو مصر کے دو کروڑ اخوان المسلمین کے لیڈر تھے انہوں نے دہلی جاتے ہوئے کراچی میں مختصر قیام کیا اور پاکستان کے خلاف بیان دیا۔ پنڈت نہرو کے لئے حالات منصوبے کے مطابق جا رہے تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ اگرچہ کانفرنس کے بائیکاٹ کا فیصلہ درست تھا تاہم مسلم وفود سے ملاقات اور رابطے میں کوئی نقصان نہیں تھا تاکہ ہم انہیں اپنا نقطہ نظر سمجھا سکیں۔ اب وقت گزر چکا تھا کہ یہ کہا جاتا کہ مسلم وفود کیوں آئے ہیں۔ جبکہ ان ممالک میں ہمارے پاس کوئی پروپیگنڈے کے ذرائع نہیں تھے کہ ہم ان کو سمجھا سکتے کہ ان کی شرکت مسلمانوں سے دشمنی کے مترادف ہو گا۔ اب جبکہ وہ

آ چکے ہیں ان کو اپنے نظریات سے پوری واقفیت کے بغیر واپس نہیں جانا چاہئے اور یہ سب کچھ پنڈت نہرو کے فراہم کردہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کیا جائے۔ اپنے مسلمان بھائیوں سے نہ ملنا بھی سیاسی آداب کے خلاف تھا لیکن سوال یہ تھا کہ یہ سب کچھ کیسے کیا جائے۔

قائداعظم اس وقت دہلی میں موجود نہ تھے۔ محمد شریف صاحب جو اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ آئی آئی چندریگر کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے نہایت مہربانی سے چندریگر صاحب سے میری ملاقات کا وقت لے دیا۔ اور عبدالرب نشتر صاحب سے بھی ملاقات کا انتظام کر دیا۔

میں نے ان دو سرکردہ لوگوں کو اپنے اندیشوں سے آگاہ کیا۔ اگرچہ دونوں نے میری بات کو سراہا لیکن وہ بھی قائداعظم کے دہلی واپسی تک کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ کہیں ہمارے کسی قدم اٹھانے سے قبل ہی کانفرنس ختم نہ ہو جائے اور ہم پاکستان کے کے لئے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنے ماضی کے تجربہ کو کام میں لاتے ہوئے خود ہی کوئی طریق اختیار کروں۔

میں' میری بیوی اور دو چھوٹے بچے تھے۔ جو خطرے سے دوچار ہو سکتے تھے میں ہی ان کا اکیلا سہارا تھا اور اس لئے وہ مجھے اس خطرناک کام سے روک بھی سکتے تھے لیکن ایک مسلمان ہوتے ہوئے اس نیک خیال نے کہ میری ذات سے زیادہ پاکستان خطرہ میں تھا مجھے بڑی تقویت اور حوصلہ دیا۔

میرے دفتری اوقات صبح ۹ بجے سے ۴ بجے سہ پہر تک تھے اور چونکہ میں ایک بڑے ہندو تجارتی ادارے میں ملازم تھا اس لئے جو کام میں کرنا چاہتا تھا وہ صرف صبح ۷ سے ۸:۴۵ بجے اور سہ پہر کو ۴:۳۰ سے ۶:۳۰ تک ہی ہو سکتا تھا۔

جہاں میں رہتا تھا "دستور ہال" جس میں کانفرنس منعقد ہو رہی تھی یہ جگہ دہلی کی دوسری طرف تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہال تک پہنچنے کے لئے مجھے سات میل سائیکل چلانا تھی اور پھر مزید سات میل دفتر تک پہنچنے کے لئے اور پھر شام کو بھی اسی طرح کرنا تھا۔

وزیر داخلہ پٹیل نے اپنی آسانی اور تحفظ کی خاطر ہال کے لئے شام ۷ بجے سے صبح ۵ بجے تک کا ایک قسم کا کرفیو لگا دیا تھا اور ہال کو ایس ایس جن سنگھی پہریداروں کے سپرد کر دیا تھا۔ ان کے پاس لاٹھیاں تھیں اور بوقت ضرورت دیگر ہتھیار بھی مہیا کرنے کے انتظامات تھے۔ میں نے ایک صبح سائیکل کو ایک محفوظ فاصلے اور مقام پر چھوڑا اور ہال میں داخل ہوا۔ دروازے پر جو افراد موجود تھے انہوں نے مجھے کسی وفد کا فرد سمجھا۔

ہال آہستہ آہستہ وفود سے بھر رہا تھا جو ڈائننگ ہال سے ناشتہ کر کے آ رہے تھے اور ان سے گھل مل جانا کچھ اتنا مشکل کام نہ تھا۔

میں نے اپنے آپ کو مسلم مشن' ووکنگ کے خواجہ کمال الدین صاحب کے فرزند کی حیثیت سے تعارف کرایا۔ اس بات نے میرے اعتماد کو تقویت دی کہ ان میں سے اکثر ووکنگ مسلم مشن کو جانتے تھے اور میری درخواست پر انہوں نے اپنے کمرے کے نمبر دیئے جہاں وہ مقیم تھے۔

لوگ وفود کے استقبال میں اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے۔ کانگرس کی قیادت وہاں نمایاں طور پر موجود تھی۔ کانگریسی مسلمان کارندے نمائشی انداز میں لمبی لمبی کالی داڑھیاں لئے خصوصی طور پر نظر آ رہے تھے۔

یہ ممکن نہ تھا کہ ملنے ملانے میں کسی سے ہاتھ نہ ملا جائے۔ میں نے مسز سروجنی نائیڈو سے ہاتھ ملایا اور مسز ایبی سوامی نتھان اور بہت سے دیگر لوگوں سے جھک کر سلام کیا اور اس دوران مسٹر پٹیل اور دیگر اہم کانگریسی شخصیات سے ملنے سے کنی کتراتا رہا اور وہ اس طرح کہ عین اس وقت یہ ظاہر کرتا کہ جیسے جلدی میں آنے والے گروہ میں سے کسی کو جانتا ہوں اور ان کی طرف لپکتا تاکہ ایسا نہ ہو کہ مبادا کوئی مجھ سے پوچھ بیٹھے کہ میں کس ملک کی نمائندگی کر رہا ہوں۔

اس کے بعد جب بھی میں صبح اور شام کے وقت ہال میں گیا مجھے مسلمان نوجوان کارندوں سے چھوٹے چھوٹے تحفے قبول کرنے پڑتے جو وہ فراخدلی سے ہر ایک کو پیش کر رہے تھے۔ سب سے پہلا اور اہم شخص جس سے میرا دوسرے دن رابطہ ہوا وہ اعظم بے تھے جو بعد میں پاکستان میں مصر کے پہلے سفیر بن کر آئے اور یہ خدا کا خاص فضل تھا۔ مجھے ان سے معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی کہ وہ اور میرے دوست ڈاکٹر زادہ جو لندن میں سعودی عرب کے سفارتخانے کے فرسٹ سیکرٹری تھے۔ دونوں مل کر جمعہ کی نماز کے لئے ہمارے لندن کے سنٹر ۱۱۱۔ ناٹنگ ہال گیٹ میں آیا کرتے تھے۔ اس وقت محترم عزت ماب حافظ واہبا سعودی عرب کے سفیر تھے انہوں نے مجھے دوسرے مسلم وفود اور خاص طور پر اپنے ہم نام اعظم بے جنرل سیکرٹری' عرب لیگ سے متعارف کرانے میں بڑی دلچسپی لی۔ لوگوں نے میرے والد حضرت خواجہ کمال الدین اور مسلم مشن ووکنگ کی وجہ سے ان معاملات کے متعلق جو مجھے دل سے عزیز تھے میرے اخلاص پر شک نہ کیا۔ اور میری رائے اور موقف کی سچائی پر یقین کیا اور میری ان سے ملاقات کے مقصد کو صحیح جانا۔ مذکورہ بالا لوگوں کے ذریعہ مصطفیٰ مومن سے میرا تعارف خطرے سے محفوظ تھا۔

ان تمام لوگوں سے میں ان کے کمروں میں ہی ملتا۔ میری سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ان کے کمروں میں ہر وقت تین چار کالی داڑھیاں والے کانگریسی مسلمان موجود رہتے تھے تاکہ میرے جیسے قابل اعتراض بھکانے والوں سے ان کی حفاظت کر سکیں۔ اس لئے میں نے ان لیڈروں سے ملاقات کے وقت وہ طریقہ استعمال کیا جو سرحد کے میرے قبائلی بھائی استعمال کرتے ہیں۔ میں اپنے دوستوں کو کمروں سے باہر لان کے درمیان لے جاتا اور پاکستان کے متعلق گفتگو کے ذریعہ ان کو ہم خیال بنانے کی کوشش کرتا۔

اس سلسلہ میں سب سے مشکل متاثر ہونے والا شخص جس نے میرے باپ کی بہت سی کتابوں کو پڑھا ہوا تھا ان کا نام حاجی ابو السلیم مرحوم تھا جو نہایت ہی معزز آدمی تھا۔ اور انڈونیشیا کا پہلے وزیر خارجہ تھے۔ اس کے ساتھ ایک میجر جنرل تھا جس کے نام کا آخری لفظ "دین" تھا۔ شاید بدرالدین ہو جو سلطان شہریار کے ساتھ آیا تھا اور جو پٹیل کے گھر ٹھہرا ہوا تھا۔

حاجی سلیم صاحب کو سب سے زیادہ فکر اور الجھن اس بات کی تھی کہ مسٹر جناح سلطان شہریار سے کیوں ملاقات نہیں کر رہے۔ شاید پٹیل نے کہا تھا کہ مسٹر جناح کو اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ سو پیشتر اس کے کہ ان کے ذہن میں پاکستان کے متعلق خیلات کو بدلہ جائے یہ ضروری تھا کہ ان کی ملاقات کا بندوبست کروایا جاتا اور میری خوش قسمتی کہ اس وقت تک قائداعظم واپس آچکے تھے۔ چنانچہ میں نے ملاقات کا انتظام کیا لیکن اس سے قبل مجھے حاجی سلیم صاحب سے دوبارہ ملنا پڑا تب جا کر وہ ملنے کے لئے رضامند ہوئے۔ حاجی سلیم صاحب نے کہا کہ تمہارے باپ اسلام کی تبلیغ کرتے تھے اور مذہب کی بناء پر تقسیم اسلامی روح کے خلاف ہے۔ میں نے ان سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی نقطہ نظر سے گو یہ ایک نقص دکھائی دیتا ہے لیکن ہندو پہلے ہی ہمیں معاشی طور پر تباہ کر رہا ہے اور درحقیقت ہر سطح پر یہی صورت حالات ہیں اور یہ کہ جب تک ہم بحیثیت قوم اپنی ہستی کو زندہ نہیں رکھتے مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے مسلمانوں سے ہمارا رابطہ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائے گا۔ یہ خوفناک اژدھا بالادستی کے خواب دیکھ رہا ہے اپنے پنجے دور و نزدیک پھیلائے گا اور آپ سب کو تباہ اور اپنا دست نگر بنائے گا۔ پنڈت نہرو اپنی خود نوشت سوانح عمری میں فخریہ طور پر لکھ چکا ہے کہ برہمنی نظام و تہذیب سب سے اعلیٰ اور طاقتور ہے کیونکہ اس نے تمام مختلف گروہوں کو جو فاتح بن کر آتے تھے ایک ایک کر کے اپنے میں مدغم کر لیا ہے اور مسلمانوں کا ادغام ان کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔ یہی بات پہلے سپین میں ہو چکی ہے اور اب ہندوستان میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ میں نے ان کو بتایا کہ گو یہ ہمارے لئے پیچھے ہٹنے کے مترادف ہو گا لیکن یہ پیچھے ہٹنے کا قدم زندگی کو بچانے اور اکثریت والے علاقے لینے کے لئے ہے کیونکہ یہ ملک ہمارا بھی ہے ہم اپنا حصہ چاہتے ہیں۔ یہ ایسی واپسی ہے تاکہ اپنے آپ کو مضبوط کر سکیں۔ تاکہ اپنے آپ کو سنبھال سکیں اور اپنے مستقبل کی حفاظت کر سکیں۔

صبح کے وقت جب میں ہال میں حاجی سلیم صاحب سے ملنے جاتا اور وہ گفتگو میں مصروف ہوتے تو میں ان کے پیچھے کھڑا ہو جاتا اور جس وقت ان کی نگاہ مجھ پر پڑتی تو میں اپنی ایڑیوں کو جرمن فوجی کی طرح بجاتے ہوئے جھک کر سلام کرتا اور وہ میرے سلام کا جواب دیتے اور پھر مجھے اپنے ساتھ کمرے میں لے جاتے۔

جب وہ اپنے کمرے میں آرام سے اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے میں ان کا سگار سلگاتا۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھتا کہ ان کی ٹانگیں ایک سٹول پر آرا کرنے کے انداز سے پھیل جائیں۔ اس وقت ان کی عمر ۷۵ سال تھی۔ پھر میں ان سے پوچھتا کہ کیا میں گفتگو شروع کروں۔ ان کا خیال تھا کہ مجھے تحریک پاکستان کی خفیہ تنظیم نے خاص طور پر تربیت دی ہے اور وہ ہماری تنظیم کی بڑی عزت کرتے۔ ان کو اسلام سے بھی بے انتہا محبت تھی۔ بالآخر جب میں نے ان کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو انہوں نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ مسٹر صلاح الدین تم نے اپنے ملک کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

اس مختصر عرصہ میں مجھے جو کامیابی ہوئی اس نے مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔ اب واپسی کا سوال ہی نہ تھا۔

بالآخر جب تمام مسلم وفود پوری طرح مسٹر لیاقت علی سے ملنے کے لئے تیار ہو گئے تو اب میرے سامنے اگلا مرحلہ یہ تھا کہ ان کے لئے لیاقت علی صاحب سے ملاقات کا وقت لوں۔

اس مرحلہ میں میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے مسٹر وزیر علی مل گئے جو بات کی گہرائی کو جلد سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور جو کچھ میں نے ان سے کہا وہ اس کی گہرائی کو سمجھ گئے۔ اس وقت وہ لیاقت علی خان وزیر خزانہ کے سیکرٹری تھے۔ جناب صوفی صاحب جو اب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اسسٹنٹ سیکرٹری تھے اور ایک اور اسسٹنٹ سیکرٹری تھے جو قائد ملت کے خفیہ سٹینو گرافر بھی تھے۔ کاش مجھے ان کا نام یاد رہتا۔

صبح اور شام کی کئی ملاقاتوں کے بعد بالآخر مجھے ان سب کو اتوار ۶ بجے شام کو لانے کے لئے کہا گیا۔ میرے پاس ان کو لانے کے لئے کوئی سواری نہ تھی۔ میں اِدھر اُدھر لوگوں کو اس سلسلہ میں درخواست بھی نہ کر سکتا تھا اور اس مرحلہ پر میں اس مشکل کا کسی پر اظہار بھی نہ کر سکتا تھا۔

اتوار آ گیا اور ابھی تک سواری کا بندوبست نہ ہو سکا۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ ملک صاحب جو اب کراچی میں ہیں اور جو اس وقت تک بھی دہلی کے بڑے مشہور کاروباری شخصیت تھے۔ انہوں نے بعض مسلمان وفود کے اعزاز میں ایک تقریب کا انتظام کیا تھا۔ ان کی رہائش گاہ بھی قائداعظم والی سڑک یعنی اورنگ زیب روڈ پر تھی۔ میں نے فوراً ان کی تقریب سے پہلے جو ۵ بجے شام تھی۔ رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے اسی وقت میرے مقصد کی اہمیت کو سمجھ لیا اور کھلے دل سے اور پر جوش انداز میں دعوت کو اس مقصد کے لئے منسوخ کر دیا تاکہ ان کی سواریاں وفود کو قائد ملت کی رہائش گاہ واقع گل رعنا تک لے جانے کے لئے کام آ سکیں۔ سواری کے انتظامات کرنے میں میرے دوست اور ڈاکٹر احمد صادق صاحب نے بھی مدد کی جو اب کراچی میں پریکٹس کر رہے ہیں اور اس طرح باقی ماندہ وفود کو بھی لے جانے کے قابل ہو سکا۔ آخر کار یہ قافلہ اپنی منزل پر پہنچ گیا۔

پہلے مجھے چند لمحے دیئے گئے کہ میں قائد ملت کو اس ملاقات کا مقصد بیان کر سکوں۔ قائد ملت نے میری باتوں کو غور سے سنا۔ نہایت شگفتگی سے مسکرائے اور

اپنے وسیع ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے اور میں ان کی بائیں طرف تھا۔ وہاں تمام نمائندے پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔

میں نے ان سب کا تعارف کرایا اور پھر قائد ملت نے ایک گھنٹہ تک تحریک پاکستان کے متعلق وضاحت کی جس کو سن کر میرا دل بہت خوش ہوا۔ میرے لئے یہی انعام تھا کہ وفود نے وہ سب کچھ سن لیا جو میں چاہتا تھا کہ وہ سنیں۔ تمام لوگ بے حد متاثر ہوئے اور ان پر رقت طاری تھی۔ انہوں نے قائد ملت کو بتایا کہ ان کے پاس ان کی آمد کے دن سے قائداعظم کے لئے خفیہ پیغامات موجود تھے اور اگر آج کی اس ملاقات کا انتظام نہ ہوتا تو وہ پیغامات آپ تک نہ پہنچا سکتے۔ ملاقات کے بعد قائد ملت مجھے اپنے ذاتی کمرے میں لے گئے اور انہوں نے میری اس درخواست کو منظور کر لیا کہ اب مجھے چپکے سے غائب ہو جانا چاہئے۔

اگلے دن سوموار کو قائد ملت کی ہدایت پر اخبار "ڈان" میں پہلے صفحہ پر پہلے کالم میں یہ سرخی لگی "تمام مسلمان نمائندوں نے لیاقت علی خان سے خلوت میں گفتگو کی"۔

میں اخبار دیکھ چکا تھا۔ اس وقت میں مسٹر مصطفیٰ میمن کے ساتھ ہال میں کافی پی رہا تھا جو چاہتے تھے کہ میں ان کے جانے سے ایک ۲ دن پہلے ان کی قائداعظم سے ملاقات کا بندوبست کروں۔ اسی لمحہ میں نے دیکھا کہ کھانے کے ہال کے دوسرے کنارے پر کرشنا مینن پنڈت نہرو سے باتیں کر رہے ہیں اور انہوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ ان کے چہروں کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ گذشتہ شام کی ملاقات کرانے میں کس کا ہاتھ ہے۔

میں تمام عرصہ ان سے بچتا رہا تاکہ میرے اتنے قریب نہ آپائیں اور مجھ سے براہ راست یا بالواسطہ کوئی سوال نہ کر دیں۔ لیکن اب میرا مشن مکمل ہو چکا تھا اور مصطفیٰ میمن کی ذاتی خواہش کو بھی پورا کر چکا تھا اور اب میرے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ میں اس سیاسی پس منظر سے غائب ہو جاؤں تاکہ میں اپنی نوکری کو بچا سکوں۔ میرے وطن کے لئے میرا فرض پورا ہو چکا تھا۔ مسٹر نہرو کی ایشیائی کانفرنس دھوئیں کی طرح اڑ گئی اور اس کے پاکستان کے خلاف منصوبے بری طرح ناکام ہو گئے۔ کیونکہ کانفرنس کو خفیہ طریق پر برباد کر دیا گیا تھا۔ اور یہ بات برملا کہنا چاہتا ہوں کہ میں وہ کچھ نہ کر سکتا جو میں نے کیا اگر ان اچھے لوگوں کے دلوں میں ووکنگ مسلم مشن اور میرے والد حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی عزت نہ ہوتی جنہوں نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔

جس مقصد کے لئے میں نے بہت کچھ قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کے حصول کے لئے میں نے تمام دروازے کھلے پائے۔ مجھے اپنے مقصد کی سچائی پر پورا یقین تھا اور کوئی خطرہ یا رکاوٹ مجھے میرے مشن کو پورا کرنے کی راہ میں حائل نہ ہو سکتا تھا۔ اس دوران میں میں اور مصطفیٰ میمن ہم نے کئی مرتبہ "دستور ہال" کے لان میں باجماعت نمازیں بھی ادا کیں وہ میرے امام ہوتے اور میں ذرا پیچھے دائیں طرف ہٹ کر ان کا مقتدی ہوتا تھا۔

(تحریر کردہ ۲۹ دسمبر ۱۹۶۵ء)